ماہنامہ

اظہار

کراچی

OCTOBER 2022

نیاگرافالز دنیا کا آٹھواں عجوبہ

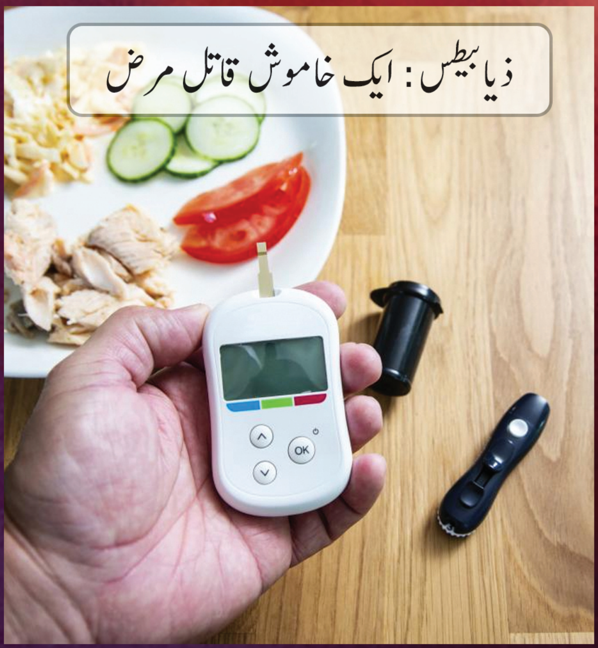

ذیابیطس : ایک خاموش قاتل مرض

پروٹون تھراپی: کینسر کے مریضوں کے لیے جدید علاج

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ کراچی ایئرپورٹ پر اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گوتریس کا استقبال کرتے ہوئے۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیراعلیٰ ہاؤس میں سندھ کے سیلاب متاثرہ علاقوں سے
بارش کے پانی کی نکاسی کے حوالے سے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے۔

ماہنامہ اظہار کراچی

جلد26 شمارہ10، اکتوبر2022ء

فہرست

اداریہ		02
27اکتوبر کشمیر کا یومِ سیاہ	افسانہ بدر	03
شہدائے پاک فوج	محمود خان	07
قائدِاعظم محمد علی جناح	محمد سلمان	10
شاہ سائیں سندھ دھرتی کی شناخت	عامر حسین	14
آسٹیوپروسس میٹابولک مرض	یسریٰ سلیم	17
ڈاکٹر بشیر بدر غزل کو نیا خون عطا کرنے والے شاعر	مہوش اویس	21
پھیپھڑوں کا کینسر	شہناز اختر	24
ذیابیطس: ایک خاموش قاتل مرض	سید عامر حسین	27
شاہ جو رسالو	محمد سمیع اللہ	34
فریڈرک ٹیلر	اطہر بیگ	38
نیاگرا فالز دنیا کا آٹھواں عجوبہ	مہناز غنی	41
کتابیں جو آپ کی زندگی کو بدل دیں گی	قرۃ العین ذیشان	46
کینسر کے مریضوں کے لیے جدید علاج	سمیع اللہ	49
خدا بولتا ہے	نجیب عمر	53

نگرانِ اعلیٰ
شرجیل انعام میمن
وزیرِ اطلاعات، حکومت سندھ

نگران
عبدالرشید سولنگی
سیکریٹری اطلاعات و آرکائیوز، حکومت سندھ

....

غلام ثقلین
ڈائریکٹر جنرل پبلک ریلشنز

مدیرِ اعلیٰ
منصور احمد راجپوت
ڈائریکٹر انفارمیشن پبلیکیشن

مدیرہ
ارم ملک
ڈپٹی ڈائریکٹر

......

معاونین
رقیہ خانم، عثمان غنی

کمپوزنگ/لے آؤٹ
سید آفاق شاہ

رابطے کے لئے
ڈائریکٹر مطبوعات
محکمہ اطلاعات، حکومت سندھ
بلاک95، سندھ سیکریٹریٹ، B-4 کراچی
فون۔ 021-99202610
ای میل: izharmonthly@gmail.com

ناشر: محکمہ اطلاعات، حکومت سندھ
پرنٹر: پیکاک پرنٹرس اینڈ پبلشرس، کراچی۔ فون: 0300-2152634

27 اکتوبر یومِ سیاہ

اکتوبر کے آخری عشرے میں کشمیری مقبوضہ کشمیر، آزاد کشمیر، پاکستان اور پوری دنیا میں یوم سیاہ مناتے ہیں۔ کشمیر میں آزادی کی جدوجہد کرنے والے اور اس کی پاداش میں خون آشام حالات سے گزرنے والے کشمیری عوام قومی اور بین الاقوامی سطح پر دھوکہ، جھوٹے وعدوں، سازشوں کے ہاتھوں مارے جاتے رہے ہیں جو کہ انسانیت اور عالمی ضمیر کے بہی خواہوں اور علمبرداروں کے ماتھے پر بدنما داغ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اقوام متحدہ نے بھی کشمیریوں کو دھوکہ دیا۔ کشمیر کے بارے میں دُہری پالیسی اور دُہرہ معیار اختیار کیے رکھا۔ 14 اگست اور 15 اگست 1947ء کو پاکستان اور بھارت کی شکل میں 2 ملک برصغیر میں وجود میں آئے۔ تقسیم کے فارمولے کے مطابق 600 کے قریب ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے پاکستان اور بھارت سے الحاق کریں۔ کشمیر کے لوگ باشعور اور آزادی پسند تھے جنہوں نے ڈوگرہ مہاراجہ کی شخصی راج سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کی غلامی کا بوجھ اتارنے کے لئے بے مثال قربانیاں دیں۔

27 اکتوبر 1947ء کو رات کے اندھیرے میں مقبوضہ کشمیر میں فوجیں اتار دیں۔ کشمیریوں نے جنگ آزادی کا آغاز کیا۔ پہلے ان کی جنگ مہاراجہ سے تھی اب ان کی جدوجہد ہندوستان اور کانگریس کے خلاف تھی۔ بے سروسامانی کے عالم میں اپنی مدد آپ کے تحت آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کا علاقہ آزاد کرایا۔ جب مجاہدین کامیابی کی طرف گامزن تھے تو نہرو اور اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ لے گیا اور وعدہ کیا کہ جس کا ریکارڈ اس کی 2 نومبر 1947ء کی نشری تقریر قابل ذکر ہے جس میں کہا ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیری عوام کریں گے اور ہم پوری دنیا کشمیریوں اور پاکستان سے بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ریفرنڈم کروانے کے لئے تیار ہیں۔ نہرو اور بھارت کی بعد کی قیادتوں میں اپنے وعدے پر عملدرآمد نہیں کیا۔

پوری دنیا اور یو این او 27 اکتوبر 1947ء کشمیر کی تاریخ کا سیاہ ترین دن بھی بھارت کو مجبور کرے کہ بربریت سے روکے اور اپنا وعدہ پورے کرنے پر مجبور کرے۔

ادارہ

27 اکتوبر کشمیر کا یومِ سیاہ

افسانہ بدر

انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق اس قانون کے تحت کوئی بھی پولیس اہلکار کسی بھی شہری کو گھر یا باہر سے محض شک کی بنیاد پر گرفتار کر سکتا ہے اور گرفتار کیے گئے شہری کے اہل خانہ کو اطلاع نہیں دی جاتی نہ ہی اسے قانونی امداد حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

پی ایس اے کے تحت بغیر عدالتی سماعت کے کم سے کم دو سال تک کسی کو بھی بلا لحاظ عمر قید کیا جا سکتا ہے۔ متعدد کمسن بچوں کو بھی اب تک اس قانون کے تحت قید کیا جا چکا ہے۔ یہ قانون 42 سال قبل اُس وقت کی حکومت نے جنگل سے عمارتی لکڑی چُرانے والوں کے خلاف بنایا تھا لیکن اسے سیاسی مخالفین کو قید کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

پی ایس اے کے تحت بغیر عدالتی سماعت کے کم سے کم دو سال تک کسی کو بھی بلالحاظ عمر قید کیا جاسکتا ہے۔ متعدد کمسن بچوں کو بھی اب تک اس قانون کے تحت قید کیا جا چکا ہے۔ آٹھ سال قبل ایمنسٹی نے اس قانون کو ”لا لیس لا“ یعنی غیر قانونی قانون قرار دے کر اس کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔

قانون تو ختم نہیں ہوا البتہ حکومت نے اس میں ترمیم کی کہ اس قانون کے تحت 16 سال سے کم عمر کے شہری کو گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم حال ہی میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے 44 صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ جاری کی جس کے مطابق یہ قانون مسلسل انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بن رہا ہے۔

انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق انڈیا کے زیر انتظام کشمیر میں 30 سالہ شورش کے دوران کم از کم 25000 افراد کو پبلک سیفٹی ایکٹ یا پی ایس

اکتوبر 2022ء

اظہار

اے کے تحت قید کیا گیا۔

ایمنسٹی کی رپورٹ میں ایسے 210 معاملوں کا تجزیہ کیا گیا ہے جن میں جسمانی طور پر معذور اور عمر رسیدہ شہریوں کو بھی گرفتار کیا گیا۔

تنظیم کے مقامی کو آرڈینیٹر ظہور وانی کہتے ہیں کہ پی ایس اے کو کچھ اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ عدالتوں کی طرف سے قیدی کی رہائی کے احکامات کے باوجود پولیس قیدی کو دوبارہ پی ایس اے کے تحت گرفتار کر سکتی ہے۔

طریقہ کار یہ ہے کہ پولیس پہلے مشکوک افراد کی شناخت کرتی ہے، پھر انھیں گرفتار کیا جاتا ہے اور الزامات کی فہرست تیار کر کے ضلع مجسٹریٹ کو دی جاتی ہے جو پولیس کی چارج شیٹ پر ہی پی ایس اے کا حکم صادر کرتا ہے۔

یہ الزامات اکثر خیالی اور مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔

بارہمولہ کے تنویر احمد ڈار پولیو کے مریض ہیں اور بیساکھی کے سہارے چلتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انھیں گرفتار کیا گیا تو وہ تھانے کے غسل خانے میں گر پڑے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پولیس نے ان کا علاج معالجہ کیا لیکن اُن کی بیوی سے اس کے پیسے وصول کیے۔

تنویر کہتے ہیں ’’گرفتاری سے قبل میں نے تجارت کے لیے بینک سے قرض لیا تھا، لیکن میں وہ ادا نہ کر سکا جس کے نتیجہ میں میری بیوی کو زیورات بیچنے پڑے۔‘‘

واضح رہے اگر حکومت کسی شہری، سیاسی کارکن یا سماجی رضاکار کو طویل مدت کے لیے جیل میں بغیر عدالتی سماعت رکھنا چاہے تو اس پر پی ایس اے کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

لیکن سرینگر میں دفتر داخلہ کے ایک افسر کا کہنا ہے کہ پولیس کی چارج شیٹ کا مجسٹریٹ سطح پر باریک بینی سے تجزیہ کرنے کے بعد ہی کسی شخص پر پی ایس اے کا اطلاق ہوتا ہے۔

تاہم سیاسی حلقے اعتراف کرتے ہیں کہ اس قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ سابق وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے حالیہ انتخابی مہم کے دوران کہا تھا کہ اگر وہ دوبارہ اقتدار میں آئے تو وہ پی ایس اے کا قانون ختم کر دیں گے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کا کہنا ہے کہ پی ایس اے اُن عالمی معاہدوں کی خلاف ورزی ہے جن پر بھارت نے بھی دستخط کیے ہیں۔

سفارشات میں کہا گیا ہے کہ نابالغ افراد پر اس قانون کا اطلاق نہ ہو، قیدیوں کو گھر کے قریب جیل میں رکھا جائے اور انھیں قانونی چارہ جوئی کی سہولت فراہم کی جائے۔انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ فی الوقت جو بھی پی ایس اے کے تحت گرفتار ہوتا ہے اس کے لیے دلیل، وکیل یا اپیل کوئی معنی نہیں رکھتے۔

وزیر خارجہ مخدوم شاہ محمود قریشی نے جنیوا میں انسانی

حقوق کونسل سے خطاب کے دوران کہا کہ میں یہاں بھارت کے زیر قبضہ جموں و کشمیر کے عوام کی استدعا اور مقدمہ لے کر آیا ہوں جن کے بنیادی اور ناقابل تنسیخ انسانی حقوق کو بھارت روند رہا ہے اور اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

انہوں نے کہا کہ ایک منظم انداز سے مقبوضہ خطے کے عوام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان کے بنیادی حقوق کی مسلسل خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں۔

دہائیوں سے بھارتی جبر و استبداد کا پہلے سے ہی شکار 80 لاکھ سے زائد کشمیریوں کو ایک غیر قانونی آپریشن کے ذریعے گزشتہ 6 ہفتے سے عملی طور پر قید کر دیا گیا ہے۔

اس عرصے میں ظلم و ستم کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے اور پہلے سے موجود 7 لاکھ فوج کی تعداد بڑھ کر 10 لاکھ تک پہنچا دی گئی ہے۔

گزشتہ 6 ہفتوں سے بھارت نے مقبوضہ جموں و کشمیر کو کرہ ارض کے سب سے بڑے قید خانے میں تبدیل کر دیا ہے جہاں بنیادی اشیائے ضروریات اور ذرائع مواصلات تک رسائی ممکن نہیں، دکانوں پر سامان فراہم نہ ہونے سے اشیا کی قلت ہو چکی ہے۔

ہسپتالوں میں جان بچانے والی ادویات کی قلت ہے، بھارتی قابض افواج کے بلاامتیاز اور براہ راست بہیمانہ طاقت کے استعمال کی وجہ سے زخمیوں کو ہنگامی طبّی امداد تک رسائی میسر نہیں۔

انسانی حقوق کونسل کو یہ یاد کروانے کی ضرورت نہیں کہ یہ سب کچھ متعدد عالمی انسانی حقوق سے متعلق قوانین اور ضابطوں کی خلاف ورزی ہے جس پر بھارت نے بھی دستخط کر رکھے ہیں۔

یہ بھارت کے زیر قبضہ جموں و کشمیر میں بھارتی جابرانہ اور ظالمانہ تسلط میں رہنے والے مظلوموں کی سچی داستان ہے جسے دنیا سے چھپانے کے لیے بھارت مضطرب ہے، یہ ''دنیا کی نام نہاد سب سے بڑی جمہوریت'' کا حقیقی چہرہ ہے، یہ اس ملک کا طرز عمل ہے جو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا مستقل رکن بننے کا آرزومند ہے۔

عالمی قانون کے تحت مقبوضہ جموں و کشمیر کی حیثیت تبدیل کرنے کا 5 اگست 2019 کا بھارت کا یک طرفہ اور غیر قانونی اقدامات غیر آئینی ہے کیونکہ اس مسئلے کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے مسلمہ تنازع تسلیم کر رکھا ہے،

ان غیر قانونی تبدیلیوں کی وجہ سے خود بھارت کے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس نے جموں و کشمیر پر غاصبانہ اور غیر قانونی قبضہ کر رکھا ہے۔

یہ اقدامات چوتھے جینیوا کنونشن کے منافی ہیں جو مقبوضہ خطے سے آبادی کی کسی دوسری جگہ منتقلی اور وہاں کسی دوسری جگہ سے آبادی کو لا کر بسانے کے عمل کی ممانعت کرتا ہے، یہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی متعدد قراردادوں کی بھی کھلی خلاف ورزی ہے جبکہ یہ بھارتی دعویٰ قطعی جھوٹ ہے کہ یہ اقدامات اس کا ''اندرونی معاملہ'' ہے۔

بھارت کے زیر قبضہ جموں و کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کونسل کے موضوع گفتگو میں محض ''ایک ملک کی مخصوص صورتحال'' نہیں بلکہ عالمی قانون، ایک مقبوضہ اور متنازع خطے کے عوام پر ڈھائے جانے والے مظالم اور

انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی تصدیق کرتا ہے، اس مقبوضہ خطے کی صورتحال کا براہ راست عالمی تشویش سے تعلق ہے جبکہ یہ بھارت کا نہ تو اندرونی معاملہ ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

نسل کشی سے متعلق کنونشن کے حوالے سے مقبوضہ خطے میں کشمیری عوام ایک الگ قومی، نسلی اور مذہبی گروپ ہے، جن کی زندگیوں، عزت و آبرو اور بقا کو قاتلوں، عورتوں سے نفرت کرنے اور دیگر عقائد کے ماننے والوں سے شدید نفرت رکھنے والی حکومت سے سنگین خطرات لاحق ہیں

مقبوضہ جموں و کشمیر کی صورتحال سے توجہ ہٹانے کا ایک بھارتی حربہ لائن آف کنٹرول (ایل او سی) پر جنگ بندی کے لیے 2003 میں ہونے والے معاہدے کی بڑھتی ہوئی خلاف ورزیاں ہیں، جہاں مسلسل آزاد کشمیر میں عام شہریوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، علاوہ ازیں بھارت نے تمام عالمی انسانی بنیادی اقدار کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے یہاں کلسٹر بم اور بھاری ہتھیار استعمال کئے ہیں، اس عمل کو فوری بند ہونا چاہیے۔

انسانی حقوق کونسل کو کشمیر کے معاملے پر فوری توجہ دینی ہوگی۔

■

شہدائے پاک فوج

محمود خان

6 ستمبر 1965ء کو بھارتی جارحیت کے ارتکاب کی صورت میں مسلط کی گئی جنگ میں افواج پاکستان نے ہر محاذ پر وطن کا دفاع کیا اور دشمن کے پرخچے اڑا دیئے، اس حوالے سے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے مکار دشمن کی افواج کو زمینی' فضائی اور بحری محاذوں پر منہ توڑ جواب دیا اور اسی طرح قربانیوں کی نئی اور لازوال داستانیں رقم کیں جبکہ اس موقع پر پوری قوم سیسہ پلائی دیوار بن کر افواج پاکستان کے شانہ بشانہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت و پاسبانی کے تقاضے نبھاتی رہی۔ 06 ستمبر کی جنگ نے قوم میں پاک فوج کو سلام کا بے پایاں جذبہ پیدا کیا تھا، جس کے نتیجے میں ملک کی مسلح افواج نے اپنے سے تین گنا زیادہ دفاعی صلاحیتوں کے حامل مکار دشمن بھارت کی فوجوں کو ایک دم پچھاڑ کر انہیں پسپائی پر مجبور کیا۔ بھارت نے 1965ء کی جنگ میں پاک فوج کے ہاتھوں بری شکست کا بدلہ چکانے کے لئے 1971ء کی جنگ کی سازش کی اور سانحہ سقوط ڈھاکہ کی صورت میں اس ارض پاک کو تقسیم کر دیا۔ پھر جب مئی 1998ء میں بھارت نے دوسری بار ایٹمی دھماکے کئے تو اس وقت کے وزیر اعظم محمد نواز شریف نے 28 مئی 1998ء کو بلوچستان کے علاقے چاغی میں ایٹمی بٹن دبا کر اور تین بھارتی دھماکوں کے جواب میں پانچ دھماکے کر کے پاکستان کے ایٹمی قوت ہونے کا اعلان کیا، جس سے بھارتی برہمنوں کی بولتی بند ہو گئی۔ بعد ازاں ان دنوں کے بعد بھارت کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ پاکستان پر 1965ء یا 1971ء جیسا قدم اٹھائے۔ تاہم مکار چال باز دشمن کی طرح بھارت نے دوسرے محاذوں پر پاکستان کی سلامتی کے

خلاف گھناؤنی سازشوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی ہے۔ اسی طرح پاکستان کو دہشت گردی کا شکار کرنے والے بھارت نے آج پاکستان کی سلامتی کے خلاف ایک محاذ کھول رکھا ہے، جس کے تحت پاکستان میں دہشت گردی پھیلانے کی سازش کی جاتی ہے اور دوسری جانب دہشت گردی کا الزام پاکستان پر ڈال کر اسے اقوام عالم میں تنہاء کرنے کی سازش بھی کی جارہی ہے۔

وطن عزیز میں 06 ستمبر 1965ء یوم دفاع کے جذبے کو تازہ رکھنے اور نئے عزم و تدبر کی صف بندی کیلئے ہر سال کی طرح امسال بھی ''یوم دفاع'' بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا جارہا ہے، ملک کے دیگر حصوں کی طرح سندھ میں بھی یہ دن پاک فوج کو سلام پیش کرنے اور ان کی قربانیوں کی یاد میں بڑے شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے، اسی دن کی نسبت صوبے کے دارلحکومت کراچی سمیت صوبے کے انتظامی ڈویژنوں میں تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے، ان تقاریب میں عوام کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی ہے اور اس موقع پر سبز ہلالی پرچم لہرایا جاتا ہے، ریلیاں نکال کر پاک فوج کو مختلف انداز میں خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ اسی دن کو منانے کا مقصد حب الوطنی کا تقاضا بھی ہے۔ یوم دفاع کی اہمیت اس لئے اپنی جگہ اہم ہے کہ پاکستان کے دشمن مختلف محاذ پر وطن عزیز کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف عمل ہیں، کشمیر میں بھارت کے مظالم نے خطے میں جنگ کی فضا پیدا کر دی ہے، جو سلامتی کے درپے ہے۔ بھارت سرکار اپنی جنونیت سے پاکستان اور چین سمیت پورے کرہ ارض کی سلامتی کیلئے سنگین خطرات پیدا کرنے کے درپے ہے۔

6 ستمبر یوم دفاع کے موقع پر ملک کی سلامتی اور ان کو اندرونی و بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لئے پرعزم ہو کر دشمن کی ہر سازش کو ناکام بنانا ہوگا، ملکی سلامتی کے خلاف دشمن کی ہر سازش کو ناکام بنانے کی ٹھوس حکمت عملی طے کرنے کی ضرورت ہے، جس کیلئے ہماری سول اور عسکری قیادتیں پہلے ہی کمربستہ ہیں۔ سول حکومت اور پاک فوج ملکی سلامتی کے لئے ایک ہی پیج پر ہیں، حالیہ ملک میں ہونے

والے سیلاب میں عوام کو ریلیف دینے اور ان کی مدد کے لئے سول حکومت کی اعلیٰ قیادت اور پاک فوج کی قیادت نے موقع پر سیلاب متاثرین کی مدد کرنے کے درپے ہیں، سول حکومت اور پاک فوج کے ایک پیج پر ہونے کے ٹھوس اقدامات سے قوم میں دفاع وطن کیلئے چھ ستمبر 1965ء والا جذبہ پھر سے توانا ہو گیا ہے۔ اس میں دورائے نہیں کہ وطن عزیز کی مسلح افواج دفاع وطن کے تمام تقاضے نبھانے کیلئے ہمہ وقت تیار اور چوکس ہیں اور وطن کے دفاع کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ وطن عزیز میں قوم 6 ستمبر 57واں یوم دفاع بڑے جوش و جذبہ سے منا رہی ہے۔ اس حوالے سے وطن عزیز میں سرکاری اور نجی اداروں نے یوم دفاع کے حوالے سے شاندار تقریبات کا انعقاد کیا۔ اسی دن کی نسبت سے صبح سویرے مساجد میں نماز فجر کے بعد شہدائے جنگِ ستمبر کیلئے قرآن خوانی اور ملک و قوم کی سلامتی و استحکام کے لئے خصوصی طور پر دعائیں کی جاتی ہیں جبکہ دفاع وطن کیلئے جانیں نچھاور کرنے والے پاک فوج کے جوانوں اور افسران کی یادگاروں پر پھول چڑھانے کی تقاریب کا انعقاد ہوتا ہے۔ جن میں شہداء کیلئے فاتحہ خوانی کی جاتی ہے۔ اسی طرح یوم دفاع کی تقاریب میں جری و بہادر افواج پاکستان کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک کی سلامتی کو درپیش نئے چیلنجز اور اندرونی و بیرونی خطرات کو اجاگر کر کے قوم کے سیسہ پلائی دیوار بننے کا جذبہ مستحکم بنانے کی فضا استوار کی جاتی ہے۔ سندھ میں سول و فوجی حکام، سیاسی قائدین اور عوام شہداء کی یاد میں پروگرام میں شرکت کرتے ہیں اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اسی طرح ملک بھر میں جہاں جہاں شہداء کی قبریں موجود ہیں۔ وہاں وہاں ان کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔

ہر سال ملک بھر میں پورے جوش و خروش سے یوم دفاع پاکستان منایا جاتا ہے، جب کہ عوامی سطح پر شہدائے ستمبر کو بھرپور انداز میں خراج عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یوم

دفاع پاکستان منانے سے جہاں مادر وطن کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے والوں کی یاد تازہ کی جاتی ہے، وہاں آج کی نسل کو پاکستان کے لئے قربانیاں دینے والوں کے بارے میں آگاہی بھی ہوتی ہے۔ یوم دفاع کے موقع پر ملک کی سلامتی کے خلاف جاری علاقائی اور عالمی سازشوں کو ناکام بنانے اور دفاع وطن کے تقاضے نبھانے کیلئے سیاسی اور عسکری قیادتوں کے مکمل تعاون ہونے اور دشمن کو قوم کا سیسہ پلائی دیوار بننے کا ٹھوس پیغام سمیت اسی طرح سفارتی محاذ پر زیادہ فعال کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کیلئے موجودہ حکومت قومی دفاع و سلامتی کے تقاضے نبھانے کے معاملہ میں امید کی ایک کرن بن چکی ہے جبکہ قوم کے سپہ سالار جنرل قمر جاوید باجوہ بھارتی عزائم کے تناظر میں پاک فوج کے جوانوں کو دشمن کے خلاف دفاع وطن کیلئے مکمل تیار اور چوکس ہونے کا ٹھوس پیغام دیتے رہتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کا دفاع مضبوط ہاتھوں میں ہے اور ناقابل تسخیر ہے۔

■

قائد اعظم محمد علی جناح

محمد سلمان

قائد اعظم محمد علی جناح کے دادا کاٹھیاواڑ کے ''گونڈل'' شہر کے ایک گاؤں ''پنیلی'' میں رہائش پذیر تھے۔ ''قائد اعظم کے دادا پونجا بھائی کی چار اولادیں تھیں:سب سے بڑی اور اکلوتی بیٹی مان بی، بڑے بیٹے والجی، منجھلے بیٹے ناتھو بھائی اور چھوٹے بیٹے قائد اعظم کے والد بزرگوار جن کا نام جناح پونجا تھا۔

اس وقت ''پنیلی کی آبادی ایک ہزار سے کم تھی پونجا بھائی کے سب سے چھوٹے بیٹے ''جن کی پیدائش ۱۸۵۷ کے ہنگامی دور میں ہوئی'' جو صحت کے نکتہ نظر سے بہت ہی کمزور تھے۔ جناح (بھائی) پیدائش کے وقت بہت دبلے اور کمزور تھے اسلئے دیکھنے والوں نے انہیں جھینا کہنا شروع کردیا۔ جھینا کے معنی کمزور کے ہیں اردو زبان میں جھینا تقریباً انہی معنوں میں بولا جاتا ہے۔ جناح بھائی نے گھر پر ہی معمولی تعلیم حاصل کی تھی

پنیلی کے چھوٹا گاؤں ہونے کی وجہ سے وہاں پر کاروباری مواقع زیادہ نہ تھے۔ جبکہ جناح بھائی کا کاروبار بڑی

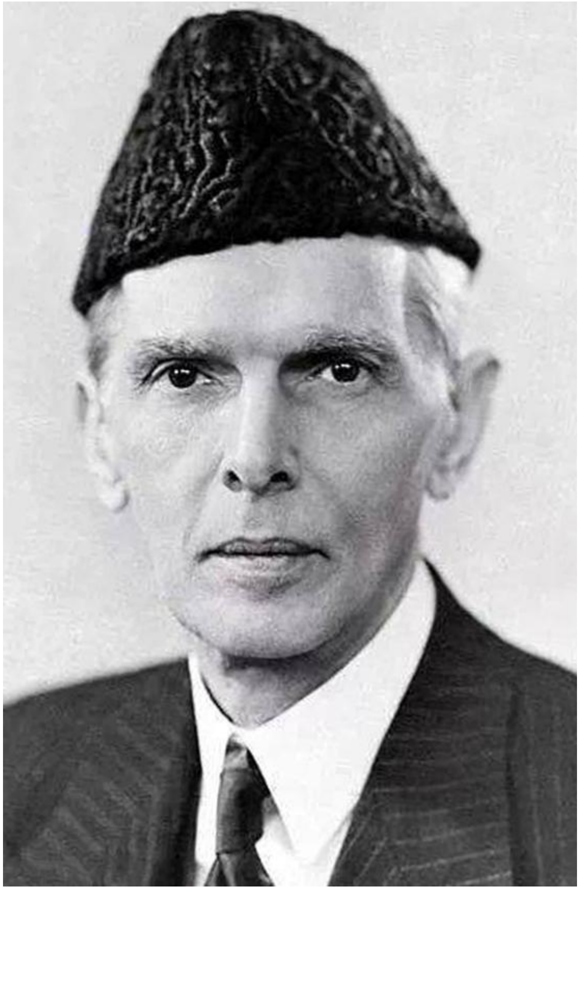

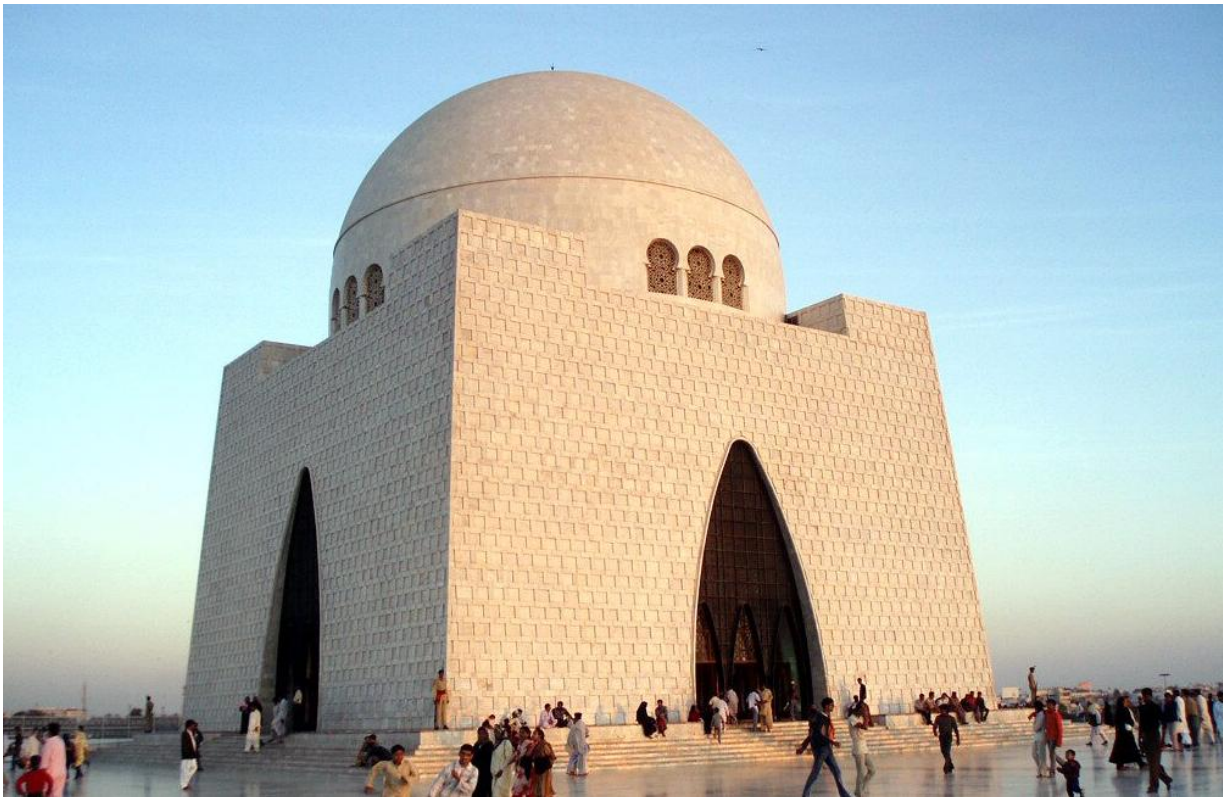

تیزی کے ساتھ پھیلتا جا رہا تھا۔کاروبار کی وسعت کی وجہ سے جناح بھائی آبائی گاؤں سے نکل کر گونڈل شہر میں آ گئے۔جہاں انہوں نے اپنے کاروبار پر بھرپور توجہ دی جس کے نتیجے میں جناح بھائی کو کافی منافع ہونے لگا۔اس کامیابی پر ان کے والد بے حد خوش تھے۔مگر پونجا بھائی ان کی کمزور صحت کی وجہ سے خاصے پریشان تھے۔بیٹی اور دونوں بڑے بیٹوں کی شادیاں وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔اب انہیں اپنے چھوٹے اور ہونہار بیٹے کی شادی کے لئے اچھے رشتے کی تلاش تھی۔انہیں ایک پتلی دبلی اور خوش مزاج لڑکی گونڈل شہر سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں ''ڈھرفا میں ایک باعزت خاندان کی اسمٰعیلی خوجہ لڑکی مل گئی، یہ خوبصورت لڑکی ہنس مکھ اور خوش مزاج ہونے کی وجہ سے میٹھی بائی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ان کے والد کا نام موسیٰ جمعہ تھا۔جبکہ میٹھی بائی کا نام ''شیریں بی بی تھا۔فاطمہ جناح فرماتی ہیں کہ ''میرے والد جناح پونجا اور میری والدہ میٹھی بائی کی شادی ڈھرفا میں ۱۸۷۴، میں ہوئی تھی''

قائد اعظم کے شجرہ نسب پر جب نظر جاتی ہے تو ان کے پردادا کا نام ہیر جی بتایا جاتا ہے۔ان کے بیٹے میگھ جی اور میگھ جی کے بیٹے کا نام پونجا بھائی تھا پونجا بھائی یا جناح پونجا میگھ جی کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔پونجا بھائی (قائد اعظم) محمد علی جناح کے والد تھے۔جناح پونجا کے ہاں سات بچوں کی ولادت ہوئی جن کے ''نام محمد علی، رحمت علی، مریم، احمد علی، شیریں، فاطمہ اور بندے علی'' تھے اس بات کی تصدیق جی الانا نے بھی کی ہے اس کے برعکس رضوان احمد نے جناح پونجا کے بچوں کی تعداد آٹھ بتائی ہے۔یہ بات محترمہ فاطمہ جناح کے قول کے سامنے درست تسلیم نہیں کیجاسکتی ہے۔جنہوں نے اپنے بہن بھائیوں کی تعداد سات ہی بتائی ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح جو قائد اعظم کی چھوٹی بہن اور ان کی قریبی ساتھی تھیں لکھتی ہیں کہ ''میرے والدین نے دو کمروں کا ایک پروقار گھر نیو نہم روڈ پر کرائے پر لیا تھا'' نیو نہم روڈ کی پتلی گلیوں میں آج بھی وہ گھر موجود ہے۔جس میں بالکونیاں بنی ہوئی ہیں جہاں محمد علی جناح پیدا ہوئے انکی پیدائش نیو نہم روڈ کھارادر کے مکان کی بالائی منزل پر ہوئی تھی۔جو وزیر مینشن کے نام سے موسوم ہے یہ دو کمروں پر مشتمل ایک مختصر سا فلیٹ تھا۔جس کو جناح پونجا نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔اس مکان میں محمد علی جناح سے متعلق بہت

ساری چیزیں آج بھی محفوظ ہیں۔ جہاں حکومت پاکستان نے ایک لائبریری بھی قائم کر دی ہے۔اس مکان کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری مرکزی حکومت کی ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح سے جب کبھی بھی سوال کیا گیا تو انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۲۵، دسمبر ۱۸۷۶ء ہی بتائی محمد علی جناح نے اپنی جتنی بھی سال گرہیں منائیں وہ تمام ۲۵ دسمبر کو ہی منائیں۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۹ء میں قائد اعظم کی سال گرہ ۲۵ دسمبر منائی گئی تو پیغام تہنیت کا جواب دیتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا کہ میری سالگرہ کے موقعے پر ہندوستان کے مسلمانوں نے میری ذات کے لئے جن جذبات کا اظہار کیا ہے حقیقتاً میں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ قائد اعظم کی آخری سالگرہ ۱۹۴۷ء میں منائی گئی فروری ۱۹۱۸ء میں مسز سروجنی نائیڈو نے بھی درج بالا تاریخ کی تصدیق اپنی کتاب محمد علی جناح سفیر اتحاد۔ (Muhammad Ali Jinnah: an Ambassador of Unity) کے مقدمہ میں سب سے پہلے کی تھی۔

وزیر مینشن یا بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی جائے پیدائش کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مذکورہ مقام پر نیو میمن مسجد کی جانب سے بآسانی جایا جاسکتا ہے۔ میمن مسجد کے دائیں جانب یعنی شمالی دروازے کی طرف بولٹن مارکیٹ سے مغربی سمت میں کچھ فاصلہ طے کرنے پر اخوند مسجد آتی ہے، جس کی دیوار سے جڑی عمارت وزیر مینشن ہے۔

قائد اعظم کی ہمشیرہ فاطمہ جناح نے بھی کمشنر کراچی کو وزیر مینشن کی نشاندہی کی تھی، جس پر 1953ء میں اس عمارت کو خرید کر قومی ورثہ قرار دیا گیا۔

فاطمہ جناح وزیر مینشن کا نقشہ بیان کرتے ہوئے کتاب ''میرا بھائی'' میں لکھتی ہیں: ''میرے والد نے دو کمروں کا ایک چھوٹا سا فلیٹ کھارادر میں نیو نہم روڈ پر حاصل کر لیا۔ یہ علاقہ شہر کا تجارتی دل سمجھا جاتا تھا۔ یہاں متعدد تجارتی خاندان آباد تھے اور ان میں سے کچھ خاندان گجرات اور کاٹھیاواڑ سے آئے تھے۔ جس عمارت میں ہمارا فلیٹ تھا وہ پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی چنائی میں چونے کا مصالحہ استعمال ہوا تھا جبکہ اس کی چھت اور فرش میں چوبی تختے استعمال کئے گئے تھے۔ ہمارا فلیٹ پہلی منزل پر تھا۔اس میں خاصی گنجائش کی ایک آہنی بالکونی فٹ پاتھ کی طرف نکلے ہوئے چھجے پر بنی تھی.... اس بالکونی کا اور کمروں کا رخ مغرب کی طرف تھا۔ کراچی میں یہ بہت اچھا رخ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سمت میں تمام سال سمندری ہوا کے تازہ اور

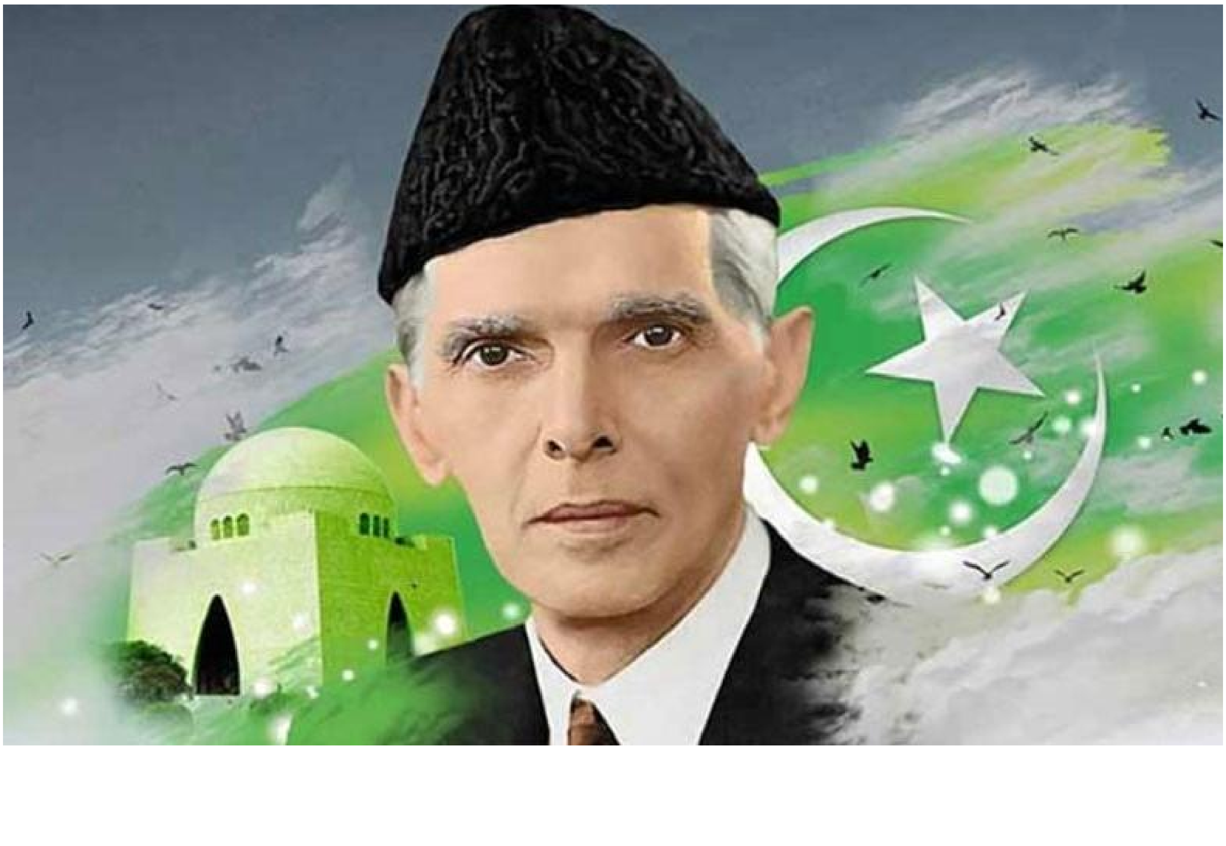

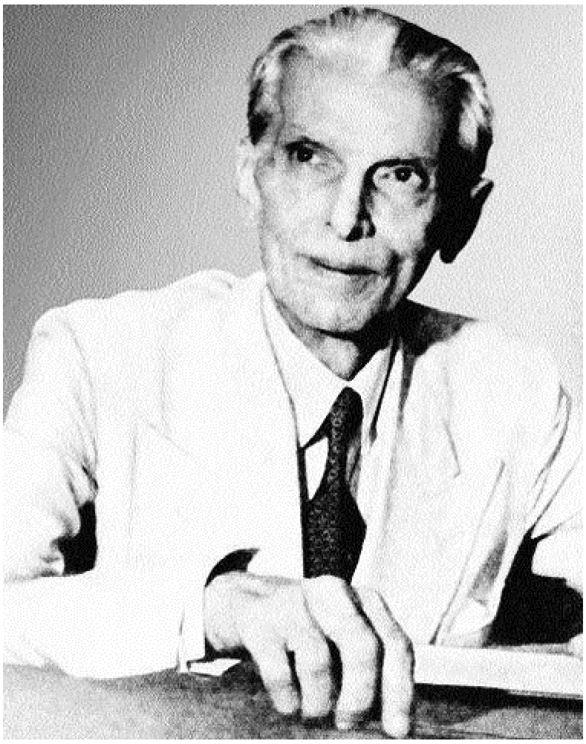

ٹھنڈے فرحت بخش جھونکے آتے رہتے ہیں۔ وزیر مینشن کی موجودہ ساخت اسی طرز کی ہے، اگرچہ اس عمارت کی مختلف وقتوں میں تزئین و آرائش ہوتی رہی ہے، تاہم اس کی بنیادیں پرانے خطوط پر ہی استوار ہیں۔ اس عمارت کو قومی ورثہ قرار دینے کے بعد اس کی نچلی منزل کو لائبریری اور بالائی منزل کو میوزیم کی حیثیت دی گئی، جہاں قائداعظم کے زیر استعمال اشیا نمائش کے لئے رکھی گئی ہیں۔ یہ میوزیم پہلی مرتبہ 14اگست 1953ء کو عوام کے لئے کھولا گیا۔ بعد میں مختلف وقتوں میں تزئین و آرائش کی غرض سے بند رہا۔اب یہ عمارت حکومت سندھ کے محکمہ ثقافت و سیاحت و نوادرات کے پاس ہے۔ سندھ حکومت نے جون 2018ء میں اس عمارت کو عوام کے لئے ایک بار پھر کھول دیا، جس کی تختی داخلی دروازے کے ساتھ ہی اندرونی دیوار پر نصب ہے

عمارت کی پہلی منزل، جہاں قائداعظم کے والد، جناح پونجا رہائش پذیر رہے، تین کمروں پر مشتمل ہے اور ہر کمرا دوسرے کمرے میں کھلتا ہے۔ پہلا کمرا بیٹھک کی طرز پر بنایا گیا ہے، جس میں بانئ پاکستان کے زیرِ تصرّف رہنے والے صوفے موجود ہیں۔ دوسرے کمرے میں دو بڑی الماریاں رکھی ہیں، جن میں قائداعظم کی قانون کی کُتب محفوظ ہیں، جب کہ دیوار کی جانب ایک میز اور کرسی موجود ہیں، جنہیں قائداعظم مطالعے کے وقت استعمال کرتے تھے۔ کمرے کے وسط میں رکھی ایک کُرسی پر انگریزی میں یہ جملہ تحریر ہے کہ ”قائداعظم بطور گورنر جنرل اس کُرسی پر بیٹھ کر کابینہ کے اجلاس کی صدارت کرتے تھے۔“ تیسرا کمرا بیڈرُوم ہے، جہاں بڑی نفاست سے پلنگ، صوفہ اور ایک سنگھار میز رکھی گئی ہے۔

عمارت کی دوسری منزل بھی گراؤنڈ فلور کی طرح ہال نُما ہے، جہاں قائداعظم کی دوسری اہلیہ، رتن بائی کا فرنیچر، قرآنِ پاک کا نُسخہ، بانئ پاکستان کے ملبوسات، جوتے اور اُن کے استعمال میں رہنے والی دیگر اشیا موجود ہیں۔ عمارت کی تیسری منزل سندھ رینجرز کے پاس ہے، جہاں عمارت کی نگرانی کی غرض سے چوکی قائم کی گئی ہے۔

بِلا شُبہ وزیر مینشن کی عمارت ڈیڑھ صدی قبل کی داستان بیان کرتی ہے اور اس کی سیر کے لیے آنے والے چند لمحوں کے لیے ماضی کی وادیوں میں کھو جاتے ہیں۔

اندرونی احاطے میں داخلی دروازے کے سامنے بالائی منزل پر جانے کے لئے لکڑی کی سیڑھیاں ہیں، جس کے ایک جانب دیوار پر جنوبی افریقہ کے انقلابی رہنما نیلسن منڈیلا کی تصویر لگی ہے، جس کے بارے میں نگران کا کہنا تھا کہ 1992ء میں جب نیلسن منڈیلا پاکستان آئے تھے تو انہوں نے وزیر مینشن کا دورہ بھی کیا تھا۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو تاریخ کا دھارا موڑ دیتے ہیں اور ان میں سے اور بھی بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو دنیا کا نقشہ بدل دیتے ہیں، انھی میں سے قائداعظم محمد علی جناح بھی ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کو قائداعظم محمد علی جناح کی شکل میں ایسا رہبر میسر آیا جس نے اپنی عقل و دانشمندی سے مسلمانوں کو آزاد مملکت دی جس میں ہم الحمدللہ آزادی کی سانس لے رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ پاکستان کو قائداعظم محمد علی جناح کے افکار کے مطابق عمل کر کے ترقی کے سفر پر گامزن کیا جائے۔■

شاہ عبداللطیف بھٹائی

شاہ سائیں سندھ دھرتی کی شناخت

عامر حسین

میں نے روز ازل ہی، پڑھا تھا عشق کا اکھر
تب ہی جان لیا تھا، اپنے نفس کا جوہر
اس جا سب روحوں کو، تھا عرفان میسر
بدلا سارا منظر، ہستی ہو گئی حاصل
(شاہ لطیف)

شاعری الہامی کیفیت ہے، جسے تحت الشعور میں محفوظ تجربے و مشاہدے دریافت کرتے ہیں۔ شعر داخلی کیفیات کا ترجمان ہے۔

سوچ روز ازل سے اپنے محور سے جڑی ہوئی ہے۔ رابطے کے کئی بہانے مل جاتے ہیں۔ دل میں پوری دنیا آباد ہے۔اسے تحفظ ملنا چاہیے نہ کہ بے یقینی۔ درحقیقت تیر انداز کو اپنے اندر کی طاقت کا علم نہیں ہے۔ جو ہتھیار سے زیادہ پر اثر ہے۔ یہ محبت کا جوہر ہے، مگر ذات کے غرور میں مبتلا غافل مارنے پر تلا ہوا ہے۔

رابطہ، مشاہدے کا عرفان ہے۔ رابطے یا تعلق کے بغیر اشیا کی تشریح ناممکن ہے۔ بادلوں سے سمندر کا واسطہ، زمین سے جڑا ہریالی کا رنگ۔ درخت سے چھاؤں کا تصور، پھول سے خوشبو کا احساس، یہ تمام رنگ، رابطہ اور تعلق جو مظاہر فطرت کے درمیان دکھائی دیتا ہے ایک مربوط، بے کراں و بے ساختہ مسرت سے جڑا ہوا ہے۔ جس کی وضاحت ناممکن ہے۔ وٹمن کے لیے لوگوں سے رابطہ بھی اشد ضروری ہے۔ جس کے بغیر فعال سماجی زندگی کا اس کے پاس کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ شاہ لطیف کے فن کا نچوڑ یکجہتی ہے۔ چاہے اشیا کے مابین ہو۔ احساس کی ڈور سے بندھی ہوئی ہو یا پھر کائنات میں موجود عمل اور رد عمل کی وضاحت کرتی ہو۔ یہ تخیل کا حسن ہے جو ہر سو جا بجا دکھائی دے رہا ہے۔

شاہ لطیف بھٹائی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں بلکہ دنیا بھر میں شاہ سندھ کی شناخت ہیں۔

آپ نے اپنے کلام میں موجود سروں اور داستانوں کے ذریعے انسان دوستی کی تعلیم دی۔

شاہ لطیفؒ نے خود کو صرف سندھ تک محدود نہیں رکھا وہ عالمگیر محبت کے قائل تھے۔ آپ سندھی زبان کے ہی

اکتوبر 2022ء

ماہنامہ اظہار کراچی

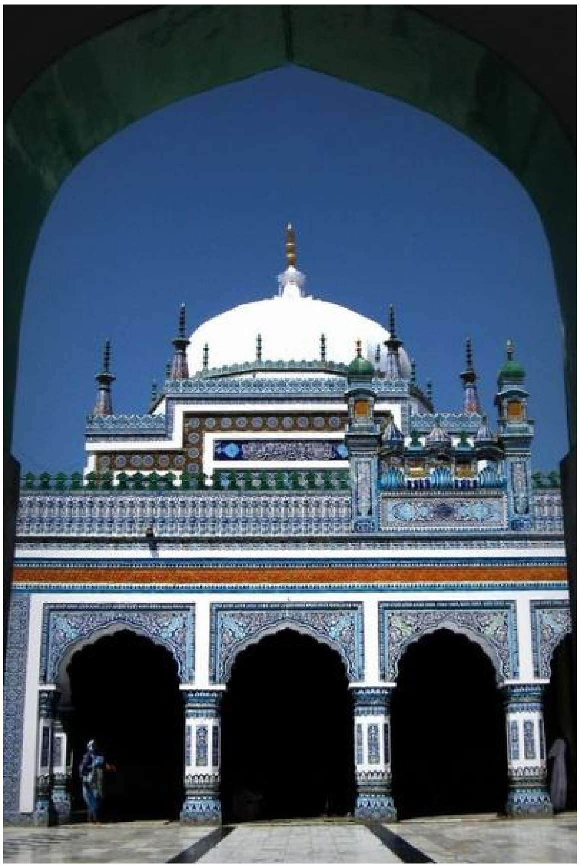

نہیں دنیا کی دیگر زبانوں کے قارئین کو بھی متوجہ کرتے ہیں۔ محبت، پیار، بھائی چارہ اور نسل آدم کو انسان دوستی کا درس دیا ہے وہ آپ کے کلام کی آفاقیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

شاہ لطیف محبت کو انوکھے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی اس کیفیت کو خوبصورتی سے اس شعر میں سمودیتے ہیں:

تیر چڑھا چلے، پر، ساجن مار نہ موہے
تیر لگے گا توہے، مجھ میں تو ہے ساجن

رومی، شاہ لطیف، ورڈز ورتھ یا والٹ وٹمن فطری ماحول سے، خیال کو تحرک عطا کرتے تھے، کیونکہ ماحول میں ایک متحرک قوت موجود رہتی ہے۔

ولیم ورڈز ورتھ کی نظر میں حسن، تخیل کا مرہون منت ہے۔ تخلیق جسے معنویت عطا کرتی ہے۔ تکمیل فن، تخیل کو لازوال حسن بخشتے ہیں۔ یہ تخیل، خیال سے تصور کے سانچے تک مختلف رنگ بدلتا ہے۔ احساس ایک خاکہ ہے کامل تصویر کی خاطر۔ احساس، زمان و مکان کی قید سے آزاد

ہے۔ یہ ایک آزاد روح ہے، جسے عقل، نظریے، ترجیح یا شرط کے خانوں میں بانٹ دیتی ہے۔ مشروط رویے اور حد بندیاں تخلیق کے خالص پن کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

سندھ میں ایسے بھی کئی لوگ ہیں جب مشکلات میں آتے ہیں تو شاہ جو رسالو کھولتے ہیں اور وہاں سے راستے نکالتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ عبدالطیف نے محبت اور جدوجہد کا پیغام دیا ہے۔ ان کی محبت مقامی نہیں بین الاقوامی سطح پر ہے۔

پیر حسام الدین راشدی نے ایک جگہ لکھا تھا کہ قرآن مجید، مثنوی مولانا روم اور بیان العارفین (شاہ لطیف کے پڑ دادا شاہ عبدالکریم کے ملفوظات) ہمہ وقت ان کے پاس ہوتے تھے اور آپ نے ان کا بغور اور گہرا مطالعہ کیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی فکر خالصتاً اسلامی ہے اور آپ کی تعلیمات انسان دوستی سے عبارت ہیں، آپ نے جنگ وجدل سے بچنے امن سے رہنے اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے کا جو درس دیا وہ آپ کے کلام میں جابجا ملتا ہے۔ خیالات و افکار کا پھیلاؤ ہی ہے جو آپ کے کلام کو ہر عہد میں مقبول

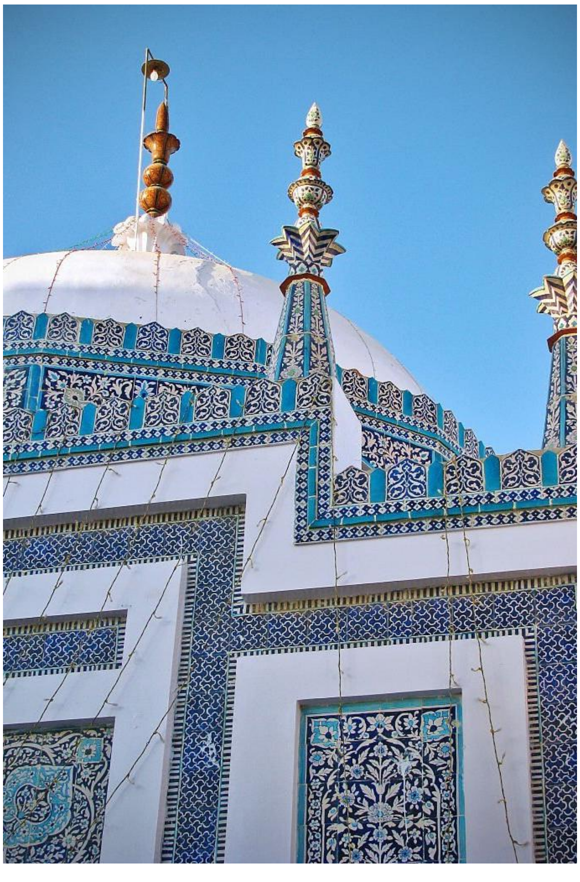

بنائے ہوئے ہے اور ہر شخص اسے اپنے دل کی آواز سمجھتا ہے آپ خود فرماتے ہیں کہ پڑھنے سے پہلے اگر اپنے دل کو دنیاوی غلاظتوں سے دھو کر صاف کر لو تو زیادہ کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی صرف ایک ''الف'' ہی کافی رہے گا۔

شاہ لطیفؒ محبت کے داعی تھے، عشق رسول ﷺ ان کی تعلیمات کا اہم نکتہ تھا۔ اللہ سے محبت ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ شاہ عبداللطیف اپنی نظموں میں سندھ، اس کے قرب وجوار اور دور دراز علاقوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ وہ استنبول اور سمرقند کے بارے میں لکھتے ہیں، سندھی ملاحوں کی ہنر مندی، حوصلے اور سفر کی داستانیں رقم کرتے ہیں۔ وہ اکثر اپنا وقت تنہائی میں گزارتے اور انسان کے وجود کی تخلیق، اس کے مقصد، خالق کے ساتھ تعلق اور انسان کی آخری منزل بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ ان کی اسی سوچ نے انہیں متقی اور پرہیز گار بنائے رکھا اور ان کی شاعری میں قدرت اور انسان کے تعلق کا رشتہ جوڑے رکھا۔ انہوں نے سچ کی جستجو میں سندھ کے بیشتر علاقوں کا سفر کیا، جوگیوں اور سنیاسیوں سے ملے، میدانوں، صحراؤں اور پہاڑوں کی خاک کو چھانا اور آخر کار سچ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس سچ کا عکس ان کی شاعری میں پیار، محبت، اپنے خالق سے لگاؤ، تقویٰ وپرہیز گاری اور اس کی کامل بندگی کی صورت میں نظر آتا ہے۔

ہیں ازل ہی سے بے نیازِ الم راز دارانِ جلوۂ معبود
گمرہی دور ہی رہی ان سے مل گئی ان کو منزلِ مقصود
واقفِ وحدتِ احد ہو کر ہو گئے ایک شاہد و مشہود

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

وحدہٗ لاشریک کا سودا فکرِ سود و زیاں سے برتر ہے
ہے یہی تیری منزلِ مقصود اور تو خود ہی اپنا رہبر ہے
کاش وہ تشنگی ملے تجھ کو جس کا انعام حوضِ کوثر ہے

بھٹائی کے سب سے اہم جانشین سچل سرمست نے سندھی کے علاوہ بھی پانچ چھ زبانوں میں شاعری کی۔ بعض محققین کے دعوے کے مطابق ان میں اُردو بھی شامل ہے اگرچہ بعض دوسرے محقق اس میں شبہ ظاہر کرتے ہیں۔ تب بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ بھٹائی سے اگلی ہی نسل میں ایک سندھی شاعر موجودہ پاکستان کے اکثر علاقوں کی زبانوں میں شعر کہہ رہا تھا۔ اور سچل ہی کے بارے میں بھٹائی کا قول مشہور ہے کہ میں نے جو دیگ چڑھائی ہے اُس کا ڈھکن یہ شخص کھولے گا۔

شاہ لطیف کے مزار پر ان محفلوں سے لوگوں کو امن، برداشت، بھائی چارے اور انسان دوستی کا پیغام ملتا ہے۔

■

آسٹیوپروسس میٹابولک مرض

یسریٰ سلیم

انسانی جسم میں 360 ہڈیاں پائی جاتی ہیں، جن کی مدد سے حسبِ خواہش حرکت ممکن ہے۔یوں سمجھ لیں کہ جیسے کسی بھی عمارت کی تعمیر میں، سریاُس کی بنیاد ہے، بالکل اسی طرح یہ ہڈیاں بھی ہمارے جسم میں سریے کا کام انجام دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ سیدھا کھڑے ہونے میں بھی بنیادی کردار ہڈیوں، جوڑوں ہی کا ہوتا ہے۔

جدید، ترقّی یافتہ دَور میں موبائل فون، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، ٹیبلیٹ اور ٹی وی اسکرین کا زائد استعمال بھی ہڈیوں، جوڑوں اور پٹّھوں کے امراض کا ایک بڑا سبب بن رہا ہے، کیوں کہ کئی کئی گھنٹے ان کے سامنے بیٹھے رہنے سے ہڈیاں، جوڑ اور پٹّھے متاثر ہو جاتے ہیں۔ان اشیاء کا استعمال ترک نہیں کیا جاسکتا، تاہم طرزِ زندگی میں تبدیلی ضرور لائی جاسکتی ہے۔

ایک ریسرچ کے مطابق دنیا بھر میں دل کے امراض کے بعد اسٹیوپوروسس دوسرے نمبر پر تیزی سے پھیلنے والی بیماری ہے۔ہر سال بیس اکتوبر کو آسٹیوپوروسس کا عالمی دن منانے کا مقصد ہڈیوں کے بھر بھرے پن کے مرض سے متعلق عوامی شعور اجاگر کرنا ہے۔

آسٹیوپروسس ہڈیوں کا ایک میٹابولک مرض ہے جو ہڈیوں کی کثافت میں کمی کا باعث بنتا ہے۔متاثرہ ہڈیوں کی کثافت کم ہو جانے کی وجہ سے وہ زیادہ نازک ہو جاتی ہیں اور اسکی وجہ سے ہڈیوں کے مڑنے اور ٹوٹنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔لمحہ فکریہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل تک یہ بیماری صرف معمر افراد میں پائی جاتی تھی لیکن اب نوجوانوں میں بھی آسٹیوپوروسس کے خطرات بڑھنے لگے ہیں۔ماہرین کا کہنا ہے کہ دنیا بھر میں ہر سال ہڈیوں کے 90 لاکھ فریکچر ہوتے ہیں۔

اس مرض کی سنگینی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایک بتدریج لاحق ہونے والی بیماری ہے جس کی علامات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شدید اور بدترین ہوتی جاتی ہیں اور عام طور پر اس مرض کا کوئی شافی علاج میسر نہیں ہوتا اگر احتیاط نہ کی جائے۔ بہرحال، معالجین کی رائے کے مطابق دستیاب طریقوں کے ذریعے علاج معالجہ مثبت نتائج کا حامل ہو سکتا ہے جس کے ذریعے ہڈیوں میں کمزوری اور ٹوٹ پھوٹ کے باعث پیدا ہونے والی درد اور سوجن کو کم کیا جا سکتا ہے، نیز اگر مریض مسلسل علاج جاری رکھے تو وہ جلد ہی فعال زندگی گزار سکتا ہے۔ عام طور پر یہ مرض بدن کے ہر حصے کو اپنا نشانہ بنا سکتا ہے لیکن خاص طور پر ہاتھ، کولہے، گھٹنے، کمر کا نچلا حصہ اور گردن، اس مرض سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ مزید برآں، یہ مرض تین خطرناک خصوصیات کا بھی حامل ہے کہ جوڑوں کے کناروں کے ارد گرد ہڈیوں کی نشوونما زیادہ ہو جاتی ہے، کارٹیلج Cartilage تباہ ہو جاتا ہے جو جوڑ کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر بھی بیان کیا گیا ہے، جو ہڈیوں کے کناروں کو سہارا دیتا ہے اور جوڑوں کی آسان نقل وحرکت کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ اس مرض کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جوڑوں کو چکنا بنانے والی جھلی میں سوزش (Synovitis) پیدا ہو جاتی ہے۔

اوسٹیو پروسس کی اولین علامت کمر میں بظاہر کسی سبب کے بغیر اچانک چھبتا ہوا درد ہوتا ہے۔ اس بیماری کا سب سے زیادہ اثر ریڑھ کی ہڈی، کولہے اور کلائی پر پڑتا ہے، ہڈیوں کی کمزوری یا آسٹیو پوروسز کو خاموش مرض کہا جاتا ہے جس کا احساس ہونا لگ بھگ ناممکن ہوتا ہے۔ اس مرض کے دوران ہڈیوں کی کثافت کم ہو جاتی ہے اور وہ کمزوری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ہر دو میں سے ایک خاتون اور ہر چار میں سے ایک مرد اس کا شکار ہوتا ہے اور ہڈیاں ٹوٹنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

اگر ریڑھ کی ہڈی میں موجود ہڈیاں جسمانی وزن کو سپورٹ نہیں کر پاتیں، وہ تو خم کھانے لگتی ہیں، اور انسان کچھ کبڑے پن کا شکار ہو جاتا ہے، یہ ہڈیوں کی کمزوری کی واضح علامت ہوتی ہے۔ امریکی سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ بعض فربہ افراد کی ہڈیوں کے اندر چربی چھپی ہوئی ہوتی ہے، جس کے باعث وہ کمزور پڑ جاتی ہیں اور آسانی سے ٹوٹ سکتی ہیں۔ اگر ہڈیوں میں کیلشیئم اور منرلز کی کمی ہو جائے تو یہ آسٹیو پوروسز کی خاموش علامت بھی ہو سکتی ہے اور ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں۔

عام طور پر آسٹیو پروسس کی اپنی کوئی علامت نہیں

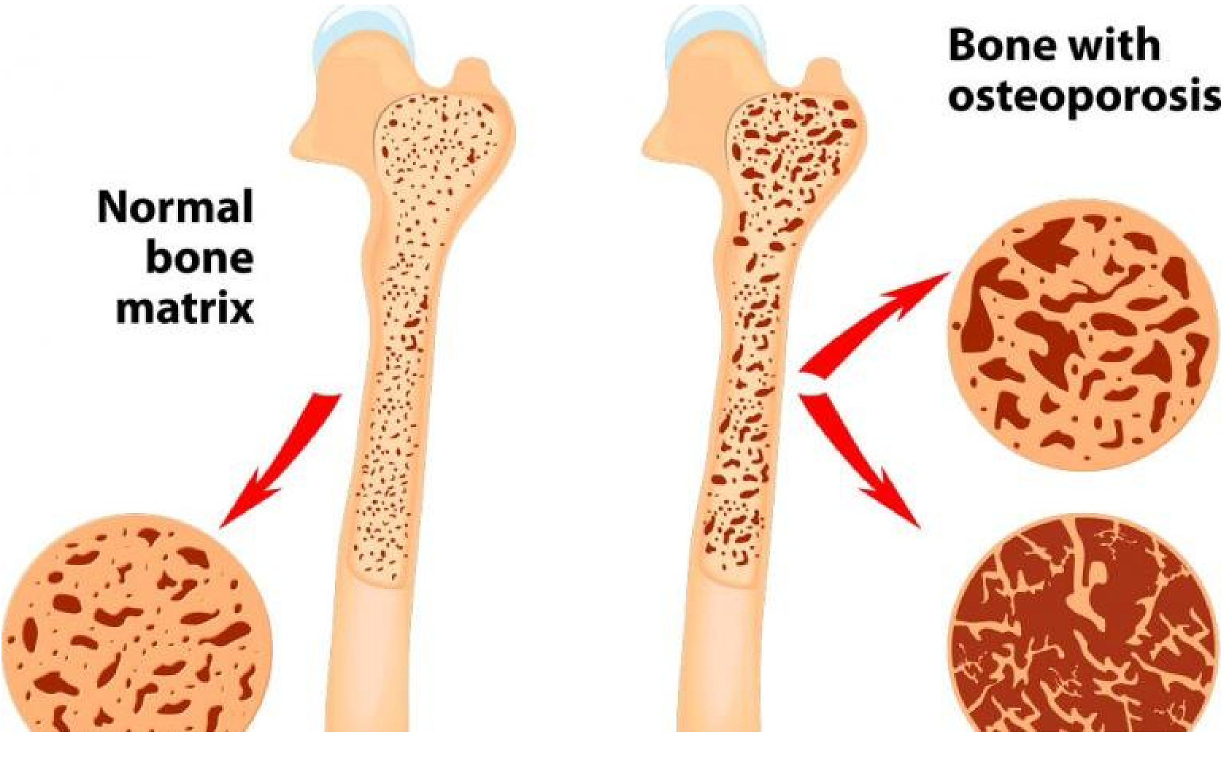

ہوتی ہے۔ اگر آسٹیوپروسس سے متعلق فریکچر ہو گا تو شاید صرف چوٹ کی جگہ پر درد ہو گا۔ آسٹیوپروسس فریکچر معمولی سی چوٹ یا گرنے سے بھی ہو سکتا ہے۔ آسٹیوپروسس فریکچر کی عام جگہوں میں ران کی ہڈی (کولہے کے جوڑ کے قریب)، ریڑھ کی ہڈی (ریڑھ کے جوڑ) اور اگلا بازو (کلائی کے قریب) شامل ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کسی چوٹ کے بغیر ٹوٹ سکتی ہے۔ ریڑھ کے جوڑ کے فریکچر کے نتیجے میں کبڑاپن اور جسم کی لمبائی میں کمی، اور کبھی کبھار کمر درد بھی ہو سکتا ہے۔ فربہ افراد کے جسم کے مختلف اعضا میں چربی چھپی ہوئی ہوتی ہے، جن میں جگر، پٹھے، ہڈیوں کا گودا شامل ہیں۔

سیب کی شکل کا جسم رکھنے والے اشخاص سب سے زیادہ خطرے کی زد پر ہوتے ہیں۔ یہ وہ افراد ہیں جن کی زیادہ وزن کمر کے آس پاس مرکوز ہوتا ہے۔ ہڈیوں کا گودا وہ جگہ ہے جہاں نئی ہڈی کے خلیے تشکیل پاتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ مرض ہوتا ہے ان کی ہڈیوں کے گودے میں چربی کی زیادہ مقدار پائی گئی۔

جب ہم سورج کی روشنی میں جاتے ہیں تو جلد میں وٹامن ڈی کی زیادہ مقدار پیدا ہوتی ہے۔ روزانہ درمیانی صبح یا درمیانی سہ پہر میں تقریباً 10 منٹ سورج کی روشنی میں چہرے اور بازو رکھیں۔ وہ لوگ جنکی جلد گہری رنگت کی ہے یا دھوپ کی تمازت سے بچنے والی جلدی کریم استعمال کئے ہوئے ہیں ان کو زیادہ دیر دھوپ کی ضرورت ہے۔ تاہم، خاص طور پر دوپہر کے وقت جلد کو براہ راست سورج کی روشنی میں کم رکھیں۔

کچھ وٹامن D چربی والی مچھلی کھانے کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہیں (جیسے سالمون، سارڈین، میکرل، ٹیونا، کوڈ، ایل وغیرہ)، انڈے کی زردی، دودھ یا دودھ سے بنی مصنوعات/وٹامن D سے شامل شدہ سویا دودھ، لیکن صرف کھانا عام طور پر آپ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتا ہے۔

متعدد طبّی تحقیقی رپورٹس میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ادرک کے اندر ایسی خاصیت ہوتی ہے جو جوڑوں کے درد کے لیے استعمال کی جانے والی ادویات کا اثر بڑھا دیتی ہے۔ مگر ادویات کے بغیر بھی یہ کافی مفید ثابت ہوتی ہے، اس کے لیے ادرک کو پیس کر سفوف کی شکل میں استعمال کریں یا اس کے باریک ٹکڑے کر کے اسے چائے کے لیے ابالے جانے والے پانی میں 15 منٹ تک ڈبو کر رکھیں، اس کا مستقل استعمال جوڑوں کے درد میں کمی لانے کے لیے بہترین ثابت ہو گا۔

اگر جوڑوں کے شکار ہیں تو فاسٹ، جنک اور تلی ہوئی غذاؤں کو ترک کردیں۔ جوڑوں کے مرض کے شکار مریضوں پر کی جانے والی ایک سوئیڈش تحقیق کے مطابق جن لوگوں نے مچھلی، تازہ پھلوں و سبزیوں، گندم یا دیگر اجناس، زیتون کے تیل، نٹس، ادرک لہسن وغیرہ پر مشتمل خوراک کو اپنی عادت بنالیا، انہیں جوڑوں کی سوجن کا کم سامنا ہوا اور ان کی جسمانی صحت میں کافی حد تک بہتری آئی۔

امریکا کی ایک یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق روزانہ چار کپ سبز چائے کا استعمال سے جسم میں ایسے کیمیکلز کی مقدار بڑھ جاتی ہے جو جوڑوں کے درد میں مبتلا ہونے کا امکان کم کردیتے ہیں۔ ایک اور تحقیق کے مطابق سبز چائے میں موجود پولی فینول نامی اینٹی آکسائیڈنٹس سوجن میں کمی لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس سے پٹھوں میں آنے والی توڑ پھوڑ اور درد میں نمایاں کمی آتی ہے۔

وٹامن سی نہ صرف کولیگن نامی جز کی مقدار بڑھاتا ہے جو جوڑوں کا ایک اہم عنصر ہے بلکہ یہ جسم کے اندر موجود ایسے نقصان دہ اجزاء کا بھی صفایا کرتا ہے جو جوڑوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق جو لوگ روزانہ وٹامن سی کی زیادہ مقدار کا استعمال کرتے ہیں ان میں جوڑوں کے درد میں شدت آنے کا خطرہ نمایاں حد تک کم ہو جاتا ہے۔ دن بھر وٹامن سی سے بھرپور اشیاء کا استعمال کریں کیونکہ ہمارا جسم اس وٹامن کا ذخیرہ نہیں کرتا بلکہ دوران خون کے ذریعے مطلوبہ مقامات پر پہنچا کر کچھ دیر بعد خارج کردیتا ہے۔ تو صبح اس کی زیادہ مقدار کا استعمال اتنا بھی

بہتر نہیں جتنا آپ خیال کرتے ہیں ویسے بھی وٹامن سی سے بھرپور پھل اور سبزیوں کا استعمال کسے ناپسند ہو سکتا ہے۔

اومیگا تھری فیٹی ایسڈز تکلیف دہ جوڑ کو راحت پہنچانے کے لیے بہترین ہوتے ہیں اور ٹھنڈے پانیوں کی مچھلیوں میں اس کیمیکل کی بہت زیادہ مقدار ہوتی ہے۔ تاہم اس کیمیکل کے سپلیمنٹ بھی دستیاب ہیں جو ڈاکٹروں کے مشورے سے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھانا کنولا آئل میں بنانے کو ترجیح دیں کیونکہ اس میں بھی اومیگا تھری فیٹی ایسڈز موجود ہوتے ہیں۔

اومیگا تھری فیٹی ایسڈز تکلیف دہ جوڑ کو راحت پہنچانے کے لیے بہترین ہوتے ہیں اور ٹھنڈے پانیوں کی مچھلیوں میں اس کیمیکل کی بہت زیادہ مقدار ہوتی ہے۔ تاہم اس کیمیکل کے سپلیمنٹ بھی دستیاب ہیں جو ڈاکٹروں کے مشورے سے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھانا کنولا آئل میں بنانے کو ترجیح دیں کیونکہ اس میں بھی اومیگا تھری فیٹی ایسڈز موجود ہوتے ہیں۔

ایک برطانوی تحقیق کے مطابق مچھلی کے تیل سے بنے کیپسول بھی جوڑوں میں ہونے والی تکلیف کا باعث بننے والے عمل کو سست کر دیتا ہے جس سے شدت میں کمی آتی ہے۔ مچھلی کے عام تیل سے بنے کیپسول کا استعمال بھی اس حوالے سے فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے جو درد کا باعث بننے والے اینزائمز کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔

اوسٹیو آرتھرائیٹس کے علاج کے چار بنیادی مقاصد ہوتے ہیں: جوڑوں کی کارکردگی میں اضافہ، بدن کا متوازن وزن، درد پر قابو، صحت مند طرز زندگی کا حصول، وغیرہ۔ مزید برآں اس مرض کے علاج کے لیے سب سے بنیادی طریقہ علاج ورزش بتائی جاتی ہے، اس کے بعد وزن میں کمی ہے، جوڑوں کی حفاظت اور دیکھ بھال، ادویہ کا استعمال، دیگر متبادل طریقوں کا استعمال اور جراحت وغیرہ۔

اوسٹیو آرتھرائیٹس جیسے مرض سے مسلسل حفاظت اور دیکھ بھال کے سلسلے میں مریض خود بھی ایسے طریقے استعمال کر سکتا ہے جن کے ذریعے اسے اپنے مرض کو دور کرنے کے متعلق معلومات حاصل ہوں، مریض اپنے طور پر بھی معالجین کی ہدایت کے مطابق ورزش کا ایک باقاعدہ نظام مرتب اور اختیار کر سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر مریض کی قوت ارادی، اسے اس مرض پر قابو پانے میں مدد دیتی ہے۔ اس مرض کے علاج کے ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس حوالے سے طبّی محققین مسلسل تحقیق میں مصروف ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ متاثر کن اور موثر طریقہ ہائے علاج دریافت کیے جائیں۔ ■

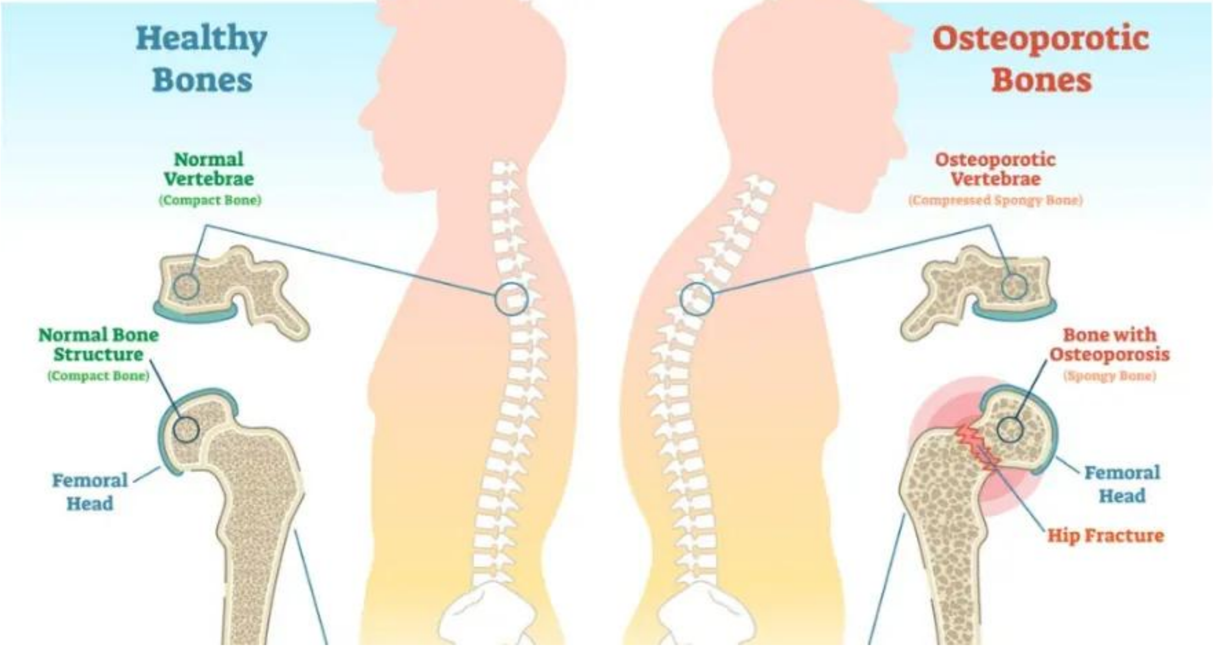

ڈاکٹر بشیر بدر

غزل کو نیا خون عطا کرنے والے شاعر

مہوش اویس

آج دنیا جس افراط اور تفریط میں گھری ہوئی ہے اس سے یہ قوی امکان ہے کہ تمام مذاہب اور تہذیبیں اپنی قدریں کھودیں گیں اور بے راہ روی کی فاحشہ مچھلی ہر جگہ حکمراں ہوگی اس واضح مستقبل کی عکاسی بشیر بدرؔ نے یوں کی ہے۔

سمندر سوکھ جائیں گے اور اک فاحشہ مچھلی
ہمارے ساحلوں اور جنگلوں کی حکمران ہوگی

اردو ادب کی دنیا میں ڈاکٹر بشیر بدر کی شخصیت کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ غزلوں کو نیا خون عطا کرنے میں وہ اپنے دور کے تمام شعراء کے پیشِ پیش ہیں۔ اور یہی وہ صنفِ سخن ہے جس میں ان کی انفرادیت کی شان نمایاں طور پر نظر آتی ہے ساتھ ہی ساتھ بشیر بدر اپنے رنگ کے منفرد نقاد بھی ہیں اس طرح انکی شخصیت بڑی تہہ دار ہے۔ سید محمّد بشیر، بشیر بدر کے نام سے مشہور ہیں۔ انکی پیدائش 15 فروری1935ء میں ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کے شہر ایودھیا میں ہوئی۔ ان کی اعلیٰ تعلیم علی گڑھ مسّلم یونیورسٹی میں ہوئی۔ انکی شریک حیات راحت بدر ہیں۔ ان کے دو فرزند، نصرت بدر اور معصوم بدر اور ایک دختر ہیں۔ اپنی تعلیم اور ملازمت کے دوران میں علی گڑھ مسّلم یونیورسٹی میں مقیم رہے بعد میں میرٹھ میں مقیم رہے پھر دہلی۔ دہلی میں گھر آگ حادثہ کا شکار ہو جانے کی وجہ سے شہر بھوپال منتقل ہو گئے۔ فی الحال بھوپال میں ہی مقیم رہے۔ برسوں پہلے ڈاکٹر بشیر بدر نے کہا تھا:

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نجانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

بس یہ شعر بشیر بدر کی شناخت بن گیا، بلکہ بعض نقادوں کے خیال میں یہ شعر اپنے شاعر کے مقابلوں میں دوچار گز آگے دکھائی دے گا۔

بشیر بدرؔ نے زندگی کے اچھے اور بُرے دونوں رخ

ماہنامہ اظہار کراچی

قریب سے دیکھے ہیں۔ وہ ایک حساس انسان ہیں۔ ان کے اشعار میں دردمندی، کسک اور ملال کی جو دبیز لہر پوشیدہ ہے، وہ ان کے درد بھرے تجربوں کی دین ہے۔ درد و کسک کے اسی احساس نے ان سے روح و دل میں اتر جانے والے ایسے پُر اثر اشعار کہلوائے ہیں جو ہر حساس دل کو متاثر کرتے اور اپنا ہم نوا اور معترف بنالیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

اُداسی کا یہ پتھر آنسوؤں سے نم نہیں ہوتا
ہزاروں جگنوئوں سے بھی اندھیرا کم نہیں ہوتا
کبھی برسات میں شاداب بیلیں سوکھ جاتی ہیں
ہرے پیڑوں کے گرنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا

بشیر بدرؔ کے اشعار میں آنسو، غم، خوشبو، پھول سورج، پتھر اور محبت وغیرہ کے لفظوں نے پیکریت، ڈرامائیت اور جمالیاتی تجسیم میں جو کلیدی رول ادا کیا ہے اس کے سبب پیدا ہونے والی تازہ کاری نے ان کے غزلیہ اسلوب کو ایک نئی پہچان عطا کردی ہے۔

بشیر بدرؔ اپنی ذات سے ایک دل نواز شخصیت کے مالک بھی ہیں خلوص محبت اور سادہ لوحی ان کے کردار کا حصہ ہیں مگر جہاں تک فنی مہارتوں کا تقاضہ ہے وہ ایک ذہین فنکار ہیں ان کی اس قابل رشک شہرت اور مقبولیت کے تانے بانے میں ان کی اس ذہانت کے ریشمی دھاگوں کو بھی دیکھا جاسکتا ہے جو بنیادی طور پر عوامی نفسیات کے تاروں کو اس طرح چھیڑتے ہیں کہ کسی جلترنگ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

دیکھ کر پھول کے اوراق پہ شبنم کچھ لوگ
تیرا اشکوں بھرا مکتوب سمجھتے ہوں گے

ڈاکٹر بشیر بدر درس و تدریس سے جڑے رہے لیکن شاعری کی وجہ سے پوری دنیا میں جانے گئے۔ جن دنوں وہ مشاعروں میں شرکت کرتے تھے تو ان کا نام نامی کامیابی کی ضمانت تھا۔ ترنم سے جب اپنی شاعری سناتے تو مشاعرے میں سماں بندھ جاتا۔ یوٹیوب سے لے کر فیس بک ان کے خوبصورت کلام سے بھرا پڑا ہے۔ بھارت سے تعلق ہونے کے باوجود ایک زمانے میں ان کی کتب مقبول ترین شعراء کرام کی طرح ہزاروں نہیں لاکھوں میں فروخت ہوتیں۔ ان کی کتابوں کے جتنے جعلی ایڈیشن شائع ہوئے وہ کسی اور کی کتابوں کے نہیں ہوئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مکمل صحت دے۔ یادداشت بحال کرے اور وہ ماضی کی طرح اپنی خوبصورت و منفرد شاعری سناتے رہیں۔

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا

میرا یہ عہد ہے کہ آج سے میں کوئی منظر غلط نہ دیکھوں
میری بیٹی نے میری پلکوں کو کتنی پاکیزگی سے چوما ہے

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی
یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا
گفتگو ان سے روز ہوتی ہے
مدتوں سامنا نہیں ہوتا
رات کا انتظار کون کرے
آج کل دن میں کیا نہیں ہوتا

وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے یہ صفت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دُعا کروں تو مری دُعا میں اثر نہ ہو

مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو

کبھی یوں بھی آ مری آنکھ میں کہ مری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو

سرِ راہ کچھ بھی کہا نہیں کسی کے گھر میں گیا نہیں
میں جنم جنم سے اُسی کا ہوں اسے آج تک یہ پتہ نہیں

تقریباً ساٹھ برس مشاعروں کے ذریعے پوری دنیا میں

حکمرانی کی۔ ان کا پڑھنے اور داد وصول کرنے کا انداز ہی منفرد تھا۔ وہ ہر شعر کو کئی بار پڑھتے اور ایک غزل پڑھنے میں پندرہ سے بیس منٹ لگ جاتے۔ یوں کسی بھی مشاعرے میں ان کے پڑھنے کا دورانیہ ایک گھنٹے سے کم نہ ہوتا۔ ادھر بشیر بدر اپنی شاعری کے ساتھ مائیک پر آتے اُدھر ہزاروں لوگ اپنے ہاتھوں میں کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب موبائل کا دور نہیں آیا تھا۔ بشیر بدر کی شاعری کی کتب پاک وہند میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئیں کہ ان کی ہر کتاب کو پڑھنے والے ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ مشاعرہ میں جب تین شعر پڑھتے تو پڑھنے سے قبل یہ کہتے کہ آپ کو دو شعر تو اچھے اور تیسرا شعر تو بہت اچھا لگے گا۔

پھول سی بچی نے میرے ہاتھ سے چھینا گلاس
آج امی کی طرح وہ پوری عورت سی لگی
آخری بیٹی کی شادی کر کے سوئی رات بھر
صبح بچوں کی طرح وہ خوبصورت سی لگی
روٹیاں کچی پکیں کپڑے بہت گندے دھلے
مجھ کو پاکستان کی اس میں شرارت سی لگی

وہ اپنی غزل سنانے سے پہلے حاضرین کو بھی ساتھ لے کر چلتے تھے۔ کبھی کہتے کہ اتنے خطرناک سامعین میں نے کبھی نہیں دیکھے تو کبھی حاضرین کو شریف سامعین بھی قرار دیتے یعنی وہ غزل سنانے سے قبل ہی اپنے لیے بے شمار داد سمیٹ لیتے۔ اکثر یہ کہتے کہ نئی غزل پہلی مرتبہ آپ کے سامنے ٹرائی کر رہا ہوں۔

محبت تم سے ہو گئی ہے
یہ دنیا خوبصورت ہو گئی ہے
خدا سے روز تم کو مانگتا ہوں
مری چاہت عبادت ہو گئی ہے
خدا، محبوب، شوہر، بال، بچے
غزل دل دار عورت ہو گئی ہے
اسے اُردو میں تم نے خط لکھا ہے
تمہاری اتنی ہمت ہو گئی ہے

ڈاکٹر بشیر بدر کا پہلا شعری مجموعہ ''اکائی'' (1949) میں طبع ہوا۔ اور اسی وقت سے بشیر بدر کی انفرادیت کا احساس بھی پختہ ہوا۔

بقول عزیز اندوری ___ ''انہوں نے بھر پور فکری انداز کو اپناتے ہوئے لہجے کی بے تکلفی کے ساتھ ہی جدید علامتوں اور نئے نئے الفاظ کے استعمال سے نئی شعری معنویت کو ابھارا ہے۔ ان کی غزلوں کے بیشتر اشعار فکر و فن کے حسن سے مزئین ہیں۔''

ان کے دوسرے غزلوں کا مجموعہ ''امیج'' (1973) میں منظر عام پر آیا۔ جس کے بارے میں پروفیسر آل احمد سرور رقم طراز ہیں۔ ''امیج'' میں نیا احساس نئی تشبیہوں نئے استعاروں، نئی تصویروں اور نئے پیکروں سے کھیل رہا ہے اور یہ کھیل بھی معنی خیز ہے۔ یہاں جسم کی آنچ اور روح کی پیاس بھی ہے اور بدلتی ہوئی زندگی کے جذبات اور احساسات کے نئے مظاہرے بھی ''امیج'' ان کے کلام کی بنیادی خصوصیات کی بڑی اچّھی نمائندگی کرتا ہے۔

حقیقت سرخ مچھلی جانتی ہے۔
سمندر کتنا بوڑھا دیوتا ہے

آنسوں کبھی پلکوں پر تا دیر نہیں رکھتے۔
اڑ جاتے ہیں یہ پنچھی جب شاخ لچکتی ہے

شہرت کی بلندی بھی دو پل کا تماشہ ہے۔
جس شاخ پر بیٹھے ہوں ٹوٹ بھی سکتی ہے

بشیر بدر کی حیثیت مشاعرے سے لیکر رسالے تک مسلم ہے۔ وہ مشاعرں اور رسالوں میں یکساں مقبول نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تقریباً ہر شعر میں نئے انداز سے کچھ بات کہنے کی کوشش کی ہے، چاہے اس کا تعلق جدیدیت سے ہو چاہے انسان کی لافانی جذبات سے ہو۔ جدید غزل میں ان کی حیثیت سنگ میل کی سی ہے۔

■

پھیپھڑوں کا کینسر

شہناز اختر

کینسر دنیا کی ان خطرناک بیماریوں میں سے ایک ہے جس میں عام آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اگر اسے کینسر ہے تو اس کی جان داؤ پر لگی ہے۔ اسے اب مرنا ہے اور یہ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ تاہم کینسر کے حوالے سے میڈیکل سائنس میں مسلسل تحقیق ہو رہی ہے اور بہت سے اچھے علاج جاری ہیں۔ پھیپھڑوں کا کینسر ایک مہلک ٹیومر کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے پھیپھڑوں کے ٹشوں میں خلیوں کی ضرورت سے زیادہ اور بے قابو نشوونما ہوتا ہے۔ اس کی علامات میں سانس کی قلت، سینے میں درد، یا تھکاوٹ شامل ہیں۔

تمباکو نوشی پھیپھڑوں کے کینسر سے وابستہ پہلے نمبر کا خطرہ جانا جاتا ہے پھیپھڑوں کا کینسر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب پھیپھڑوں میں خلیات خراب ہو جاتے ہیں اور بے قابو ہو جاتے ہیں جس سے ٹیومر پیدا ہوتا ہے جس سے سانس لینا مشکل ہو سکتا ہے جیسے جیسے ٹیومر بڑھتے ہیں متاثرہ خلیات جسم کے دیگر علاقوں میں بھی پھیل سکتے ہیں جو لوگ سگریٹ نوشی کرتے ہیں وہ اس عادت کو چھوڑ کر پھیپھڑوں کے کینسر کے خطرے کو کم کر سکتے ہیں جس سے ان کی سانس اور ان کی صحت میں بھی بہتری آئے گی

تمباکو نوشی اور پھیپھڑوں کے کینسر کے درمیان تعلق بہت مضبوط ہے سینٹرز فار ڈیزیز کنٹرول اینڈ پریوینشن (سی ڈی سی) کے مطابق سگریٹ نوشی امریکہ میں پھیپھڑوں کے کینسر کے تقریبا 90 فیصد افراد مبتلا ہیں تمباکو کی دیگر مصنوعات کا بھی تمباکو نوشی کی طرح کسی شخص کے پھیپھڑوں کے کینسر میں مبتلا ہونے کے خطرے کو بڑھاتی ہے۔ تمباکو کے دھوئیں میں 7000 سے زائد کیمیکلز ہوتے ہیں جن میں سے بہت سے زہریلے ہوتے ہیں تقریبا 70 کیمیکلز کار سینوجنز کے نام سے جانے جاتے ہیں یعنی یہ کینسر کا سبب بن سکتے ہیں۔

ان خطرناک مادوں کو سانس لینے سے پھیپھڑوں میں ہوا کے راستے میں اور چھوٹی ہوا کی تھیلیوں کو نقصان پہنچتا ہے

جنہیں الویولی کہا جاتا ہے یہ نقصان پھیپھڑوں کو صحیح طریقے سے کام کرنے سے روکتا ہے اور پورے جسم میں پھیپھڑوں کے کینسر اور دیگر کینسر میں مبتلا ہونے والے شخص کے خطرے کو بڑھاتا ہے

تمباکو کے دھوئیں کے کیمیکلز کا زہریلا مکسچر پھیپھڑوں کے نازک ٹشوز کو نقصان پہنچاتا ہے اور سوزش کا سبب بنتا ہے۔

تمباکو نوشی پھیپھڑوں کی جھلی الویولی کو تباہ کر دیتی ہے جو آکسیجن کے لیے استعمال ہوتا ہے اس سے مستقل تباہی ہوتی ہے یعنی پھیپھڑوں کا یہ حصہ بحال نہیں ہو سکتا ہے وقت کے ساتھ ساتھ الویولی نقصان ایمفیسیما کا باعث بن سکتا ہے جو سانس کی انتہائی تکلیف کا سبب بنتا ہے اور جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔

تمباکو کی کچھ مصنوعات بغیر دھوئیں کے ہوتی ہیں جن میں تمباکو چبانا اور تمباکو سونگھنا شامل ہے جسے لوگ نسوار بھی کہتے ہیں یہ مصنوعات زہریلا دھواں پیدا نہیں کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ انسان کو 25 سے زائد فیصد اس کے پیدا کرنے والے کیمیکلز سے قریب کر دیتی ہے منہ غذائی نالی اور لبلبے کے کینسر سمیت مختلف کینسروں میں بغیر دھوئیں کے تمباکو کی مصنوعات شامل ہیں تمباکو کے استعمال سے دل کی بیماری اور فالج کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

تمباکو نوشی ہوا کے راستے اور پھیپھڑوں کی سوزش کا سبب بھی بنتی ہے جس کی وجہ سے شخص کو سانس کی کمی محسوس ہوتی ہے اگر سوزش جاری رہتی ہے تو اس سے داغ کے ٹشو پیدا ہو سکتے ہیں جس کی وجہ سے کسی شخص کے لیے سانس لینا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے

صحت مند پھیپھڑے خود صفائی کرتے ہیں تمباکو میں موجود کیمیکلز باریک بالوں جیسے سیلیا کو نقصان پہنچاتے ہیں جو پھیپھڑوں سے ملبہ ہٹانے میں مدد کرتے ہیں تمباکو نوشی ان خصوصی خلیوں کو مفلوج اور ہلاک کر سکتی ہے جس سے تمباکو نوشی کرنے والوں کو انفیکشن کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے

اگر کسی شخص کو پھیپھڑوں کے کینسر کی کوئی علامات کا سامنا ہے تو اسے ڈاکٹر سے رابطہ کرنا چاہئے:

- مستقل کھانسی
- خون کی کھانسی
- سینے میں درد

- بھوک میں کمی یا وزن میں کمی
- سانس کی تکلیف یا گھبراہٹ
- تھکاوٹ
- بار بار ہونے والے انفیکشن جیسے برونکائٹس اور نمونیا

تمباکو نوشی پھیپھڑوں کے کینسر کے لئے ایک اہم خطرہ ہے جو لوگ تمباکو نوشی کرتے ہیں ان میں تمباکو نوشی نہ کرنے والوں کے مقابلے میں اس کینسر میں مبتلا ہونے کا امکان 30 گنا زیادہ ہو سکتا ہے ماحولیاتی عوامل اور پھیپھڑوں کے کینسر کی خاندانی تاریخ بھی اس بیماری کے امکان بڑھا سکتی ہے تمباکو نوشی چھوڑنے میں کبھی دیر نہیں لگتی حالانکہ تمباکو نوشی بند کرنے سے انسان کو 10 سال بعد پھیپھڑوں کے کینسر کا خطرہ آدھا کم ہو سکتا ہے

کیلیفورنیا پروٹونس کی شدت سے ماڈولیٹڈ پنسل بیم سکیننگ ٹیکنالوجی پھیپھڑوں کے کینسر تابکاری کے علاج کی ایک انتہائی عین مطابق شکل ہے جو ہمارے ڈاکٹروں کو اعلی خوراک کی تابکاری کے ساتھ پھیپھڑوں کے ٹیومر کو منتخب طور پر نشانہ بنانے کے قابل بناتی ہے جس کے نتیجے میں ایکس رے تابکاری سے زیادہ معافی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

پرانے غیر فعال بکھرنے والے پروٹون تھراپی کے علاج کے مقابلے میں، پنسل بیم اسکیننگ ٹیکنالوجی ٹھیک 2 ملی میٹر کے اندر اور انتہائی نگہداشت کے ساتھ پھیپھڑوں کے کینسر کے لیے Proton پروٹون بیم تابکاری کا علاج پیش کرتی ہے۔ ٹیومر کی پرت کو پرت کے ذریعہ حملہ کر سکتے ہیں اور صحت مند ٹشوؤں اور اعضاء کے آس پاس کے نقصان دہ نمائش کو کم سے کم کر سکتے ہیں۔ یہ پھیپھڑوں کے کینسر کے مریضوں کے لئے اہم ہے کیونکہ پھیپھڑوں میں بہت سے حساس اور اہم اعضاء اور ڈھانچوں کے قریب واقع ہوتا ہے، جس میں دل، غذائی نالی اور ریڑھ کی ہڈی بھی شامل ہے۔ تابکاری سے وابستہ زہریلا کی کمی خاص طور پر سمجھوتہ کرنے والے پھیپھڑوں کے فنکشن یا قلبی بیماری والے مریضوں کے لئے بھی فائدہ مند ہے۔

پہلے شعاع زدہ علاقوں کا علاج کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ بار بار ہونے والے ٹیومر کے آس پاس صحت مند ٹشوز تابکاری کی پچھلی خوراک کو پوری طرح سے "فراموش" نہیں کرتے ہیں، اور کسی اضافی مقدار میں عام ٹشو کی چوٹ کے خطرے میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ پروٹون بیم تھراپی ڈاکٹروں کو خوراک کو ہدف تک بہتر طور پر مرتکز کرنے اور کسی اور جگہ محدود کرنے کے اہل بن سکتی ہے، جس سے منتخب مریضوں میں تابکاری کے ساتھ دوبارہ علاج کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

پھیپھڑوں کے کینسر کے لیے Advanced اعلی درجے کا پروٹون تھراپی علاج ڈاکٹروں کو کینسر کے پھیپھڑوں کے ٹیومر اور خلیوں کو زیادہ مقدار میں اعلی خوراک کی تابکاری فراہم کرنے اور صحتمند خلیوں اور اہم اعضاء کے گرد خوراک کو کم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ کچھ معاملات میں، یہ انتہائی مشکل صورتحال میں بھی ایکسرے تابکاری کے علاج سے کہیں زیادہ علاج کی شرح فراہم کرنے کے لئے دکھایا گیا ہے۔

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ پروٹون تھراپی چھوٹے سیل پھیپھڑوں کے کینسر کے علاج میں ایکسرے تابکاری کی طرح موثر ہے اور اس سے پھیپھڑوں اور غذائی نالی کی سوزش جیسے مضر اثرات کم ہو سکتے ہیں۔ مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ پھیپھڑوں کے کینسر کے کچھ مریض کم تابکاری کے مضر اثرات کے ساتھ زیادہ علاج معالجہ کی مقدار وصول کر سکتے ہیں۔

پرانی ٹیکنالوجی کے برعکس، پھیپھڑوں کے کینسر پروٹون تھراپی کے علاج کے منصوبے کو کمپیوٹر میں لوڈ کیا جا سکتا ہے اور اسے کچھ ہی منٹ میں مکمل کیا جا سکتا ہے۔ علاج بھی سادہ اور آسان ہے تاکہ مریض اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں کو جلدی واپس لے سکیں۔

■

ذیابیطس: ایک خاموش قاتل مرض

سید عامر حسین

پاکستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں ذیابیطس کا مرض دہائیوں سے موجود ہے اور اس پر قابو پانے کی کوششیں بھی ناپید ہیں۔ ذیابطیس وہ خطرناک بیماری ہے جس پر توجہ نہ دی جائے تو جان لیوا بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ یہ ایک خاموش قاتل کی طرح اندر ہی اندر پیدا ہوتی ہے اور پھر ایک ایسے وقت پر ظاہر ہوتی ہے جب وہ اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہوتی ہے۔

دنیا بھر میں بے شمار افراد روزانہ اس کا شکار ہوتے ہیں جن میں سے کچھ اس بیماری کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کچھ کو ذیابطیس خود شکست دے دیتا ہے۔ اس بیماری کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اس کے بارے میں مکمل آگاہی نہیں ہوتی۔

ذیابطیس جسے شوگر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، یہ خون میں انسولین کی کمی سے پیدا ہوتی ہے۔ ذیابطیس موروثی یعنی وارثت میں ملنے والی بیماری بھی کہلاتی ہے کیوں کہ یہ ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتی ہے اس لیے اگر گھر یا خاندان کا کوئی فرد ذیابطیس کا شکار ہے تو ان سے گھر کے دوسرے افراد میں بھی اس کی منتقلی بنتی ہے۔

جسم یا خون میں ذیابطیس کی تشخیص کے لیے خون کی مدد سے اس بیماری کا علم ہوتا ہے، کیوں کہ ذیابطیس کا مرض بدن کے بہت سے حصوں پر اثرانداز ہوتا ہے اور انسانی جسم کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے۔ خون کے علاوہ پیشاب کے ٹیسٹ

سے بھی اس کی تشخیص ممکن ہوتی ہے۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں 70 لاکھ افراد ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہیں جبکہ اتنی ہی تعداد اس مرض میں مبتلا ہونے کے دہانے پر ہیں اگر احتیاطی تدابیر نہ اپنائی گئیں۔ ذیابیطس ایک ایسی خاموش بیماری ہے جو انسانی جسم کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ یہ بے حد ضروری ہے کہ ذیابیطس کی بروقت تشخیص کی جائے اور احتیاطی تدابیر کے بارے میں عوام کو آگاہ کریں۔

دو طرح کی ذیابیطس ہیں۔ ایک وہ جو بچپن سے ہی ہو جاتی ہے اور دوسری جو تقریباً 40 سال کی عمر میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی ذیابیطس عام طور پر خوراک میں تبدیلی، دیہی علاقوں سے شہری علاقوں میں لوگوں کی نقل مکانی جیسی وجوہات کے باعث ہوتی ہے۔

ہماری نوجوان نسل کو خاص طور پر آگاہی کی ضرورت ہے کیونکہ اس مرض کے ہونے کی ایک بڑی وجہ ہمارا لائف سٹائل ہے، کیا خوراک کھاتے ہیں اور کیا ہم معیاری خوراک کھا رہے ہیں یا نہیں، عالمی ادارہ صحت کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق تقریباً گیارہ ہزار افراد کے ذیابیطس کے ٹیسٹ کیے گئے جن میں سے 7.14 فیصد ذیابیطس کے نئے مریض سامنے آئے یعنی جنھیں خود نہیں معلوم تھا کہ وہ اِس مرض کا شکار ہیں۔

19 فیصد سے زیادہ لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ اِس مرض کا شکار ہیں جبکہ سات فیصد سے زیادہ ایسے تھے جن میں سروے کے دوران کرائے جانے والے ٹیسٹ کے ذریعے اِس مرض کی تشخیص ہوئی۔

پہلے لگائے جانے والے اندازوں کے مطابق پاکستان کی آبادی کا سات سے آٹھ فیصد یعنی 70 سے 80 لاکھ افراد ذیابیطس کا شکار ہو سکتے تھے۔ ماہرین کا خیال تھا کہ سنہ 2040 تک یہ تعداد 15 سے 20 فیصد تک پہنچ سکتی ہے لیکن حیرت انگیز طور پر ذیابیطس کے مریضوں کی تعداد پاکستان میں آبادی کے 26 فیصد سے زیادہ ہو چکی ہے جو کہ پوری قوم کے لیے خطرناک ہے۔

ذیابیطس کے مریضوں کے اعضا میں السر کے باعث انفیکشن ہو جاتا ہے اور انھیں کاٹنا پڑتا ہے لیکن یہ مستقل حل نہیں ہے۔ معذوری کے باوجود بیشتر مریضوں کو بار بار آپریشنز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ پاکستان میں موجودہ طرز زندگی کے باعث لوگوں میں ذیابیطس کا مرض تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اس پر ستم یہ کہ ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے لوگ گھر پر

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے، ان کے ہمراہ وزیر اطلاعات شرجیل انعام میمن، وزیر ایکسائز مکیش چاولہ اور معاون خصوصی (سرمایہ کاری) سید قاسم نوید بھی موجود ہیں۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ دریائے سندھ کے منارکی ڈیم پر سیلابی پانی کا معائنہ کرتے ہوئے۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ کراچی میں ایک تعلیمی ادارے کی جانب سے منعقدہ تقریب میں ایک طالبہ سے مصافحہ کرتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ کراچی ڈاؤن سینڈروم پروگرام (KDSP) میں لرننگ سینٹر کی افتتاحی تقریب سے خطاب کر رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ روہڑی کینال میں نیو سعید آباد کے علاقے سے
بارش کے پانی کی نکاسی کے حوالے سے صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ اور چیئرمین نادرا طارق ملک وزیر ہاؤس میں
سیلاب سے متعلق امداد کے اعدادوشمار پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے۔

وزیر اطلاعات و ٹرانسپورٹ سندھ شرجیل انعام میمن عبدالستار ایدھی بی آر ٹی اورینج لائن بس سروس کا افتتاح کر رہے ہیں،
صوبائی وزیر سعید غنی اور فیصل ایدھی بھی موجود ہیں۔

فوکل پرسن رین ایمرجنسی صوبائی وزیر اطلاعات و ٹرانسپورٹ شرجیل انعام میمن حیدرآباد کے دیہی علاقے کا دورہ کر رہے ہیں۔

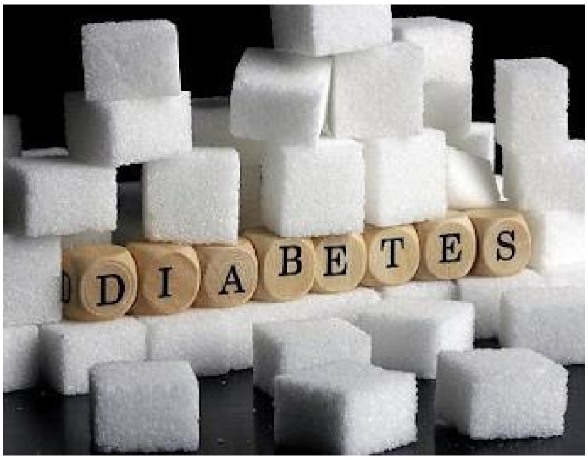

ٹوٹکے آزما کر اپنا علاج کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

ہمیں اس بات کی آگاہی پھیلانی چاہیے کہ زخم کا بروقت علاج نہ ہو تو وہ جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے اور اسے کسی بھی قیمت پر مت ٹالیں، فوری علاج کروائیں۔ اپنا اور اپنی ذیابیطس کا خیال رکھنے سے آپ کو آج اور آئندہ بہتر محسوس کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ جب آپ کے خون میں شکر (گلوکوز) معمول کے قریب ہو، تو امکان ہے کہ آپ کو:

- زیادہ توانائی محسوس ہو
- کم تھکن اور پیاس محسوس ہو
- کم مرتبہ پیشاب کرنے کی حاجت ہو
- بہتر شفایابی ہو
- جلدی یا مثانے کے انفیکشنز کم ہوں

آپ کو ذیابیطس سے ہونے والے صحت کے مسائل کم ہونے کا بھی امکان ہو گا جیسے کہ:

- دل کا دورہ یا اسٹروک
- آنکھوں کے مسائل جن کے سبب دیکھنے میں دشواری یا اندھے ہونے کا خطرہ ہو سکتا ہے
- آپکے ہاتھوں اور پیروں میں درد، جھنجھناہٹ، یا انکا سن ہو جانا، جسے عصب کا نقصان بھی کہا جاتا ہے
- گردوں کے مسائل جن کے سبب آپ کے گردے کام کرنا بند کر سکتے ہیں
- دانتوں اور مسوڑھوں کے مسائل

ذہنی تناؤ سے آپ کے خون میں شکر کی مقدار بڑھ سکتی ہے۔ اپنے ذہنی تناؤ کو کم کرنے کے طریقے جانیں۔ گہری سانسیں لینے، باغبانی کرنے، چہل قدمی کرنے، مراقبہ، اپنے مشغلوں پر کام کرنے، یا اپنی پسندیدہ موسیقی سننے کی کوشش کریں۔

- اگر آپ کو افسردگی محسوس ہو تو مدد طلب کریں۔ دماغی صحت کا مشیر، امدادی گروپ، مذہبی رہنما، دوست، یا اہلِ خانہ جو آپکی تشویشات کو سنتے ہوں وہ بہتری کا احساس کرنے میں آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔

اچھا کھانا کھائیں۔

- اپنی نگہداشت صحت کی ٹیم کے ساتھ ذیابیطس کے لیے ایک کھانے کا منصوبہ بنائیں۔
- ایسی غذائیں چنیں جن میں کیلوریز، سیر اب شدہ چربی، فالتو چربی، شکر، اور نمک کم ہوں۔
- زیادہ ریشے دار غذائیں، جیسے کہ سالم اناج والے دلیے، بریڈز، کریکرز، چاول یا پاستا۔
- پھل، سبزیاں، سالم اناج، بریڈ اور دلیے اور کم چربی والا یا بالائی اترا ہوا دودھ اور پنیر منتخب کریں۔
- جوس اور معمول کے سوڈے کے بجائے پانی پئیں

ہر سال ذیابیطس کے مرض کے باعث پاکستان میں تقریباً ڈیڑھ سے دو لاکھ افراد معذور ہو جاتے ہیں۔ بقائی انسٹیٹیوٹ آف ڈائیبٹیز کے ڈائریکٹر پروفیسر عبدالباسط کی حالیہ تحقیق کے مطابق پاکستان میں ہر چار میں سے ایک فرد ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہے اور یہ تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ بروقت علاج سے ذیابیطس کے مریضوں کے اعضا اور جان بچائی جا سکتی ہے لیکن صحت کی غیر معیاری سہولیات اور آگاہی کی کمی کے باعث اکثر علاج میں بہت دیر ہو جاتی ہے۔ عالمی ادارہ صحت اور ذیابیطس پر نظر رکھے ہوئے دیگر عالمی تنظیموں کا کہنا ہے کہ اگر پاکستان ذیابیطس کو کنٹرول کرنے کے لیے اقدامات کرنے میں ناکام رہا تو 2040 تک ملک میں ذیابیطس کے مریضوں کی تعداد ایک کروڑ 40 لاکھ ہو جائے گی۔ ■

شاہ جو رسالو

محمد سمیع اللہ

شاہ جو رسالو جس کو ارنسٹ ٹرمپ ''دیوان'' کہتے ہیں۔ جس کو اسی نے ترتیب دے کر تصحیح کر کے 1866 میں لی پنگ جرمنی سے شائع کیا۔ ان کے بعد اس پر مرزا محمد قلیچ بیگ، علامہ غلام مصطفی، کلیان آڈوانی، دین محمد وفائی، ڈاکٹر گر بخشانی، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، پیر حسام الدین راشدی، علامہ آئی آئی قاضی، ایلسیا قاضی، جی ایم سید، بھیرومل آڈوانی، علامہ محمد شاہانی، ودیگر درجنوں علما، دانش وروں، محققین اور ادیبوں نے تحقیق وتدوین کرتے ہوئے قلم کشائی کی ہے۔

سندھ کے صحرائی علاقوں میں دن تو بے انتہا گرم ہوتے ہیں لیکن راتیں خنک اور ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ رات میں لوگ باگ اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر ٹولیوں کی صورت میں اکھٹا ہوتے اور مختلف کرتب اور کھیل تماشے کئے جاتے، نوجوان رقص کرتے، کافیاں گاتے۔ قصہ گو مختلف قصے اس انداز سے بیان کرتے کہ سننے والا اپنے ذہن میں کہانی کے کرداروں کو چلتا پھرتا محسوس کرتا۔

آپ کو مطالعے کا جتنا جنون تھا اتنا ہی تصوف کے ساتھ آپ کو لگاؤ بھی تھا۔ آپ ایک اچھے زمیندار اور صوفی بزرگ بھی تھے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمہ اللہ کے کلام سے آپ کو قلبی نسبت تھی۔ آپ کی دلجوئی اور مصروفیت عام رواجی

وڈیروں، زمینداروں اور چودھریوں سے ہٹ کر اہل اللہ کا تذکرہ اور اہل علم کی مجالس ہوا کرتی تھی۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی سے آپ کا روحانی تعلق تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اصل نصیحت اور ہدایت تو قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ ہیں مگر تصوف بھی ان کی تشریح اور وضاحت ہے اور بزرگوں کے اقوال اور افعال بھی ان ہی کی شرحیں ہیں۔ آپ کی اس چاہت اور عشق کا نتیجہ یہ نکلا کے آپ شاہ عبدالطیف بھٹائی رحمہ اللہ کے کلام کے صحیح اور حقیقی شارح بن گئے۔ شاہ صاحب کے کلام کی شرح شریعت مطہرہ کی روشنی میں ایسی کی کہ ہر زبان سے آفرین کی آواز بلند ہونے لگی۔ آپ بڑے شخصیت شناس انسان بھی تھے اور خداداد صلاحیتوں سے سرشار ہستی بھی تھے۔ آپ فطرت انسانی سے اچھی طرح واقف تھے۔ آپ کو اللہ رب العزت نے بہترین خوبیوں اور ملکوں سے نوازا تھا۔ آپ دانا بزرگ اور حلیم شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کو دین سے بے حد لگاؤ تھا۔ آپ علما، صلحا اور اولیائے کرام سے محبت کرنے والے انسان تھے۔

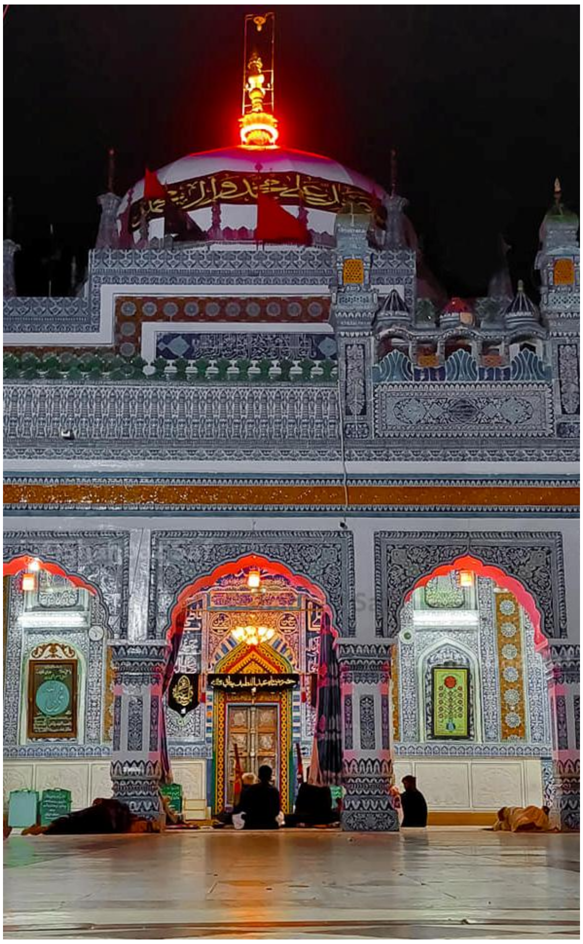

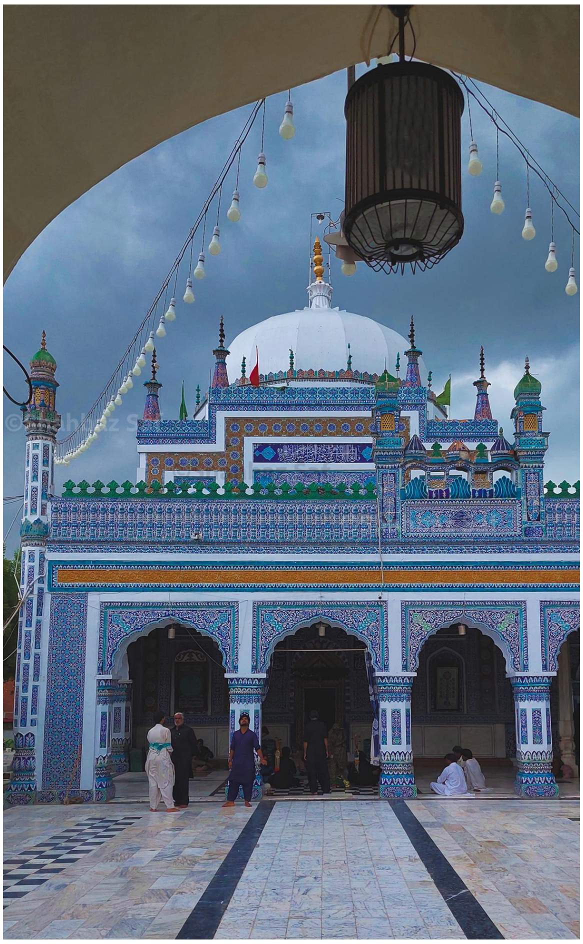

علماء اور صوفیاء کی بہت زیادہ عزت و اکرام کیا کرتے تھے اور ان کی خدمت اور استعانت کے لئے ہر وقت تیار رہا کرتے تھے۔ آپ ہاتھ کے بھی کشادہ انسان تھے۔ صدقات اور خیرات میں بھی نمایاں رہے۔

شاہ صاحب کے رسالے کی کافی شروحات لکھی جا چکی ہیں۔ ان شروحات کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہر ایک شارح نے وہ تشریح کی ہے جو اس نے خود سمجھا ہے یا جو بات اس کے ذہن میں تھی اس کے مطابق شاہ صاحب کے کلام کا مقصد بیان کیا ہے۔ ہر ایک شارح اپنے اپنے راستے پر چلا ہے۔ ایک اصول بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی بھی شاعر کے کلام کی تشریح کرنی ہو تو شاعر کی زندگی کے وقت، ماحول، رسم و رواج، لوگوں کے اطوار، مذہبی رجحانات، سیاسی اور سماجی حالات وغیرہ کو مطالعہ کر کے کلام پر اس پس منظر میں غور و فکر کر کے تشریح کی جائے۔ شاہ صاحب کے کلام کی ساری جملہ شروحات اپنی جگہ پر مگر سندھ

کے پسماندہ علاقے فرید آباد تحصیل میہڑ کے گمنام بزرگ رئیس الحاج رسول بخش ڈیرو صاحب نے جو شرح کی ہے اس شرح کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''جي تو بيت ․ نائيا سي آيتون آهين'' کے دعوی کو سچ کرکے دکھاتی ہے۔ حاجی رسول بخش صاحب اہل دل اور اہل علم بزرگ تھے۔ آپ کو فارسی اور عربی لغت کا بہت زیادہ علم حاصل تھا۔ سندھی لغت کا تو آپ کو ساگر کہا جاتا تھا۔ آپ سندھی زبان کے بہت بڑے ماہر تھے۔ آپ کو مولانا عبدالکریم دیروی صاحب کی صحبت میں رہ کر صوفی شعراء کے کلام خاص کر کے بھٹائی صاحب کے کلام سے دلی لگاؤ پیدا ہوا۔ مولانا عبدالکریم دیروی صاحب خود بھی شاہ صاحب کے کلام کا زیادہ مطالعہ کرتے تھے اور بھٹائی صاحب کے کلام کے بڑے شارح بھی تھے۔ ان کی رفاقت میں حاجی رسول بخش صاحب کو شاہ صاحب کے کلام سے جنون کی حد تک عشق ہوگیا۔ فرید آباد اور آس پاس کے علاقے کے بزرگ اہل علم حضرات اور عمر رسیدہ لوگوں سے راقم الحروف نے جب بھی حاجی رسول بخش صاحب کا شاہ صاحب کے کلام سے عشق کے بارے میں پوچھا تو سب نے یہی جواب دیا کہ حاجی صاحب کو شاہ صاحب کے کلام سے دیوانہ وار محبت تھی، عشق کا جنون تھا، آپ کی اکثر اوقات شاہ صاحب کے کلام پر مبنی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ دور دراز سے شاہ صاحب کے کلام کو جاننے والے لوگوں کو دعوت دے کر محفلیں منعقد کرواتے رہتے تھے۔ جب بھی محفل شروع ہوتی تھی تو آپ ایسے باادب ہو کر بیٹھ جاتے تھے گویا تلاوت کلام پاک سن رہے ہوں۔ جب محفل میں شاہ صاحب کا کلام پڑھا جاتا تھا تو آپ غور سے سنتے تھے اور اس کلام کی گہرائی میں ڈوب جاتے تھے۔ محفل میں موجود لوگوں کی زبانی کلام کی تفسیر بھی سنتے تھے۔ آخر میں خود اس کی تشریح کرتے تھے۔ جب آپ تشریح کرنے لگتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بہت بڑے علامہ، بہت بڑے محقق، لغت کے بہت بڑے ماہر، بہت بڑے فلسفی بات کر رہے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ کلام خود انہی کا ہے اور صحیح تشریح کر رہے ہیں۔

پَڙاڏو سو سَڏُ، وَرُ وائيءَ جو جَي لَهين،
هُئا اُگهَين گَڏُ، ٻُڌَڻَ ۾ ٻَه ٿِئا.

یہ صدا اور بازگشت صدا اصل دونوں کی ایک جیسی ہے
اپنی آواز کی دوئی پہ نہ جا کہ سماعت فریب دیتی ہے

ايڪُ قَصَرُ دَرَ لَکَ، ڪوڙيين سَهسَ ڪڙَڪيُون،
جاڏي ڪَرِيان پَرَکَ، تاڏي صاحِبُ سامُهُون.

قصر ہے ایک اور در لاکھوں ہر طرف بے شمار ہیں روزن
مجھ کو ہر سمت سے نظر آیا جلوہ گر ایک ہی رخِ روشن

سَيَڪا پِريان ڪُون پُوڄي،
نِيَنهُن نَيڻين ڳُڻُ ڳالِهه وو،
جا چِتايَمِ چِتَ ۾، سَڄَڻُ سا تو ٻُجهي،
نِيَنهُن نَيڻين ڳُڻُ ڳالِهه وو.
لاتِ جا لَطِيفَ جِي، سَڌُ تُنهنجو سُڄي،
نِيَنهُن نيڻين ڳُڻُ ڳالِهه وو.

ہر کوئی اپنے ساجن کی کرتا رہتا ہے پوجا
گن ہیں جس کے بول بول میں نینوں میں ہے نیہا
ساجن پہلے جان گئے جو میں نے چت میں سوچا
گن ہیں جس کے بول بول میں نینوں میں ہے نیہا
سنو ''لطیف'' کی لے کو اس میں بھید ہے اس کے من کا
گن ہیں جس کے بول بول میں نینوں میں ہے نیہا

ڪوڙِين ڪاياڻُون، تُنهنجِيُون لِکَنِ لَکَ هَزارَ،
جِيءُ سَڀِ کَنهن جِيءَ سين، دَرسَنُ ڏارَوڏارَ،
پِريَمِ تُنهنجا پارَ، کَهڙا ڇَئِي ڪِيئَن ڇُئان.

مظہر حسنِ ذاتِ باقی ہے اے محبت ترا ہجومِ صفات
جلوۂ حسن یار ہر شے میں جلوۂ حسنِ یار کی کیا بات

اَنڌا اُنڌا ويڄَ، ڪَلَ ڪُڄاڙِئا ڪانِئِين،
اَسان ڏُکي ڏِيل ۾، تُون پياريين پيڄَ،
سُورِي جَنِي سيڄَ، مَرَڻُ تَنِ مُشاهِدو.

نہیں ان چارہ سازوں میں بصیرت کہواں سے نہ میرا جی جلائیں
اذیت ہے مسلسل چارہ سازی پلاتے ہیں دوائوں پر دوائیں
جو سولی ہی کو اپنی سیج سمجھیں وہ کیوں مرنے سے آخر جی چرائیں

سُورِي آهِ سِينگارُ، اَصلِ عاشِقَنِ جو،
مُڙَڻُ موٽَڻُ ميهَڻو، ٿِئا نِظارِي نِروارُ،
ڪُسَڻَ جو قَرارُ، اَصلِ عاشِقَنِ سين.

سر سے پا تک خلوصِ عزم شعار جلوۂ بے نقاب سے دوچار
سولی ہے ایسے عاشقوں کا سنگھار سر بریدہ رہیں گے سارے یار

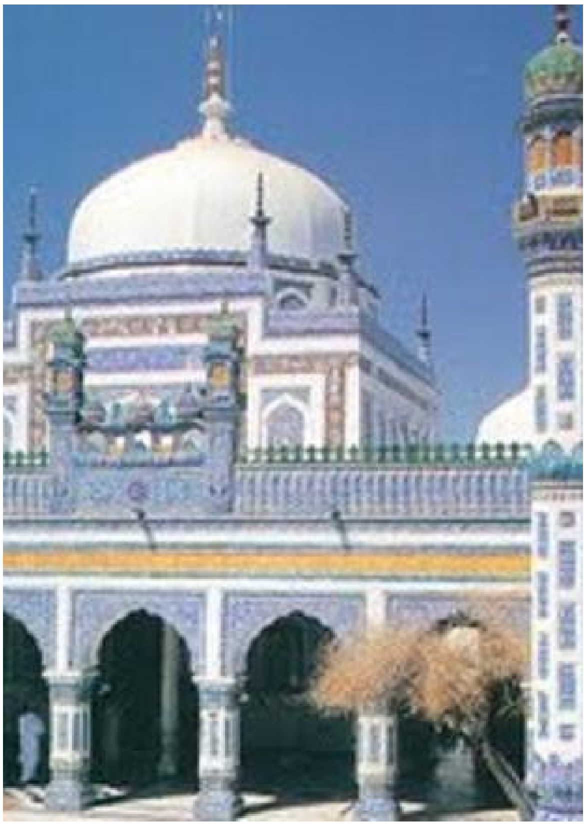

یہی روز ازل سے ہے اقرار سولی ہے ایسے عاشقوں کا سنگھار
تیز نیزوں کی دیکھ کر یلغار مانتے ہیں ''لطیف'' کب وہ ہار
سولی ہے ایسے عاشقوں کا سنگھار

اَڳِئان اَڏِنِ وَٽِ، پِوِيَنِ سِرَ سَنباهِئا،
ڪَاٽِ تَه پوءِ قَبُولَ ۾، مَڇُڻ پانيَين گهَٽِ،
مَتا مَهايَن جا، پِئا نَه پَسِيين پَٽِ،
ڪَلاڙَڪي هَٽِ، ڪُسَڻَ جو ڪوپُ وَهي.

جو آگے بڑھ گئے جاں دے چکے ہیں کئی سر آچکے ہیں زیرِ خنجر
جو پیچھے رہ گئے ہیں بڑھ رہے ہیں کہ ان کو بھی شہادت ہو میسر
نہ اس منزل کو تم آساں سمجھنا بڑھے آگے تو سر ہو گا زمیں پر
یہ ہے وہ میکدہ بہتا ہے جس میں لہو بھی بادۂ گلرنگ بن کر

جَي اَتيئِي سَڌَ سُرڪَ ۾، وَنءُ ڪَلاڙَڪي هَٽِ،
لاهي رَکُ لَطِيفُ چَئِي، مَٿو ماٽي وَٽِ،
سِرُ ڏيئِي ۾ سَٽِ، پِيئُج ڪَي پِيالِيُون.

اگر ہے جرعۂ مے کی تمنا تو اس پیر مغاں کے در پہ جائو
جو کہتا ہے ''لطیف'' اس کو سنو تم سر اپنا کاٹ کر خم سے ملائو
خرید و اسکے بدلے تم یہ سودا نہ خالی ہاتھ جام مے اٹھائو

■

ماہنامہ اظہار کراچی

فریڈرک ٹیلر

اطہر بیگ

فریڈرک ٹیلر (1856-1915) ایک امریکی انجینئر اور موجد تھا، جسے سائنسی انتظامیہ کا باپ سمجھا جاتا تھا، اور جن کی شراکت 20ویں صدی کے آغاز میں اس صنعت کی ترقی میں بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کا سب سے اہم کام، سائنسی انتظام کے اصول، کو1911 میں شائع کیا گیا تھااور اس وقت سے رونما ہونے والی معاشرتی اور تکنیکی تبدیلیوں کے باوجود، اس کے بہت سارے نظریات ابھی بھی درست ہیں یا نئی شراکت کی ترقی کی اساس ہیں۔

فریڈرک ونسلو ٹیلر 20 مارچ 1856 کو جرمین ٹاؤن شہر میں پنسلوینیا میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کے اہل خانہ کی اچھی معاشی پوزیشن تھی، جو اس کی تعلیم کے لئے مثبت تھی، کیونکہ وہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے قابل تھا ٹیلر نے نیو ہیمپشائر میں واقع، فلپس ایکسیٹر اکیڈمی میں قانون کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ بعد میں اس نے ہارورڈ میں داخلے کے لئے امتحان پاس کیا۔ تاہم، ایک سنگین بیماری کے نتیجے میں اسے اپنی تربیت ترک کرنا پڑی جس نے اس کی نظر کو متاثر کیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب وہ نوعمر تھااس نے ویژن کی اس حالت میں مبتلا ہونا شروع کیا تھا۔ اپنی زندگی کے اس مرحلے کے دوران، اس نے ایک جسم کو ایک کمزور ترکیب کے ساتھ پیش کیا۔ اس سے اسے پتہ چلا کہ وہ کھیلوں کی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکے جس میں ان کے ساتھی شریک

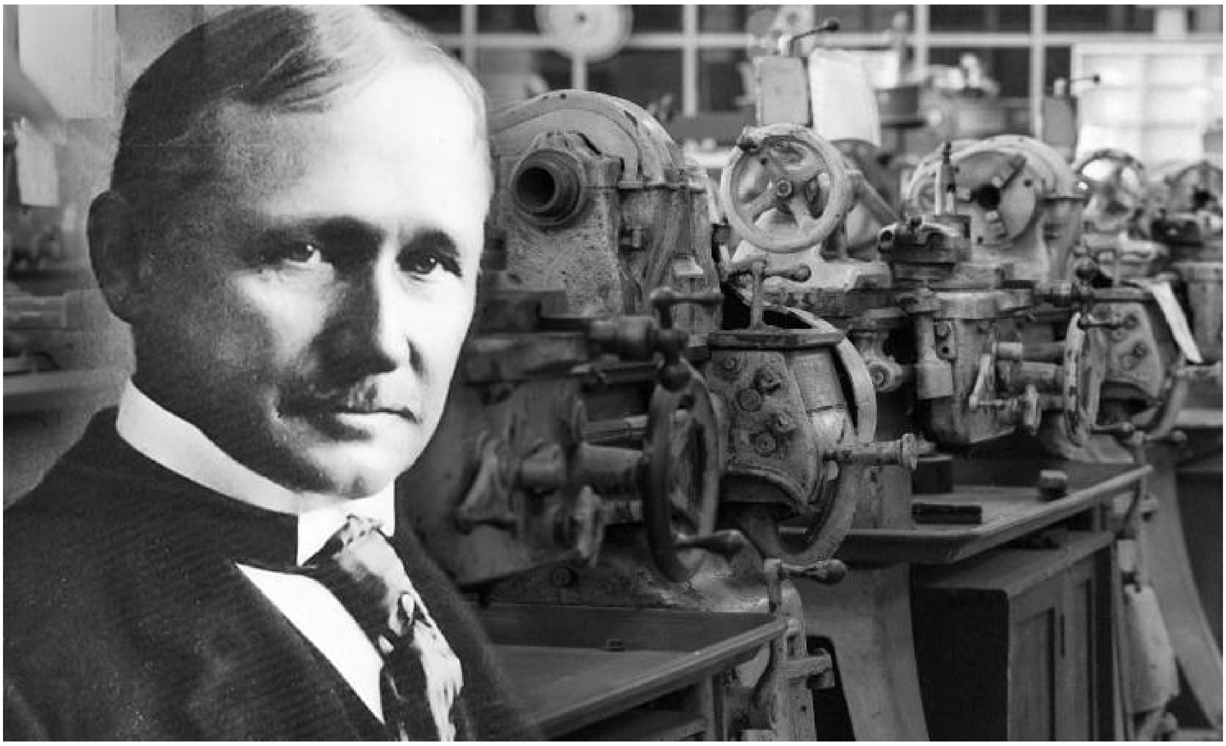

تھے۔

اس خصوصیت کی بنا پر، کہ کسی طرح اس نے اسے معذور کر دیا، ٹیلر نے ان اختیارات پر غور کرنا شروع کیا جو ان کے استعمال کردہ آلات اور اوزار کی بہتری کے ذریعے کھلاڑیوں کے جسمانی رد عمل کو بہتر بنانے کے لیے Exist موجود ہو سکتے ہیں۔ ان پہلے تصورات نے وہ بنیاد تشکیل دی جس کی بنیاد پر انہوں نے بعد میں اپنی حکمت عملی کے مقام سے منسلک اپنے پورے طرز فکر کی بنیاد رکھی، جس کے ذریعے ممکنہ حد تک موثر انداز میں پیداوار میں اضافہ ممکن تھا۔

1875ء میں فریڈرک ٹیلر کا وژن پہلے ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ فلاڈیلفیا میں واقع صنعتی اسٹیل کمپنی میں داخل ہوا جہاں وہ مزدور کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ تین سال بعد، 1878 میں، انہوں نے ریاستہائے متحدہ کے شہر یوٹا میں مڈویل اسٹیل کمپنی میں ملازمت کی۔ بہت جلد وہ کمپنی کے اندر اندر اُٹھا اور مشیر، گروپ لیڈر، فورمین، چیف فورمین، اور ڈرائنگ آفس کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کیا، یہاں تک کہ وہ چیف انجینئر بن گیا۔

1881ء میں، جب فریڈرک ٹیلر 25 سال کا تھا، اس نے مڈویل اسٹیل کمپنی میں وقتی مطالعے کے تصور کو متعارف کروانا شروع کیا۔ فریڈرک کو ایک چھوٹی عمر سے ہی انتہائی مشاہدہ کرنے اور پوری طرح سمجھنے کی خصوصیت حاصل تھی۔ اسٹیل کمپنی میں، انہوں نے بڑی توجہ اور تفصیل کے ساتھ مشاہدہ کیا کہ دھاتی اشیاء کو کاٹنے کے انچارج مرد کیسے کام کرتے ہیں۔

اس نے اس طرف توجہ دینے پر بہت توجہ مرکوز کی کہ انہوں نے اس عمل کے ہر ایک قدم کو کس طرح انجام دیا۔ اس مشاہدے کے نتیجے میں، اس نے بہتر تجزیہ کرنے کے لئے کام کو آسان قدموں میں توڑنے کے تصور کو تصور کیا۔ اس کے علاوہ، ٹیلر کے لئے یہ بھی اہم تھا کہ ان اقدامات پر عمل درآمد کا ایک خاص اور سخت وقت ہوتا ہے، اور کارکن ان اوقات پر کاربند رہتے ہیں۔

1883ء میں، ٹیلر نے اسٹیونس انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی سے مکینیکل انجینئر کا لقب حاصل کیا، تربیت جو اس نے رات کے وقت پڑھائی، چونکہ اس وقت میں وہ پہلے ہی اسٹیل کمپنی میں کام کر رہا تھا۔ اسی سال وہ مڈویل اسٹیل کمپنی کے چیف انجینئر بنے، اور اس وقت انہوں نے پیداواری صلاحیت کو موثر انداز میں بڑھانے کے لئے ایک نئی مشین شاپ ڈیزائن اور بنائی بہت جلد فریڈرک ٹیلر کے قریبی مشاہدے پر مبنی خیالات نے کام کے نئے تصور کی پیدائش کی، اور یہی وہ کام تھا جو بعد میں کام کی سائنسی تنظیم کے نام سے مشہور ہوا۔

اس تلاش کے حصے کے طور پر، ٹیلر نے مڈویل میں ملازمت چھوڑ دی اور مینوفیکچرنگ انویسٹمنٹ کمپنی میں شمولیت اختیار کی، جہاں اس نے 3 سال تک کام کیا اور جہاں اس نے انتظامی مشاورت کے لئے زیادہ انجینئرنگ اپروچ تیار کیا۔ اس نئے وژن نے ملازمت کے بہت سے دروازے کھولے، اور ٹیلر مختلف کاروباری منصوبوں کا حصہ تھا۔ آخری کمپنی جس کے لئے انہوں نے کام کیا وہ بیت اللحم اسٹیل کارپوریشن تھی، جہاں اس نے کاسٹ آئرن کو سنبھالنے اور بیلچہ ڈالنے کی کارروائی سے متعلق معاملات میں اصلاح کے لیے Novel ناولوں کے عمل کو جاری رکھا۔

جب ان کی عمر 45 سال تھی، ٹیلر نے کام کی جگہ سے سبکدوشی کا فیصلہ کیا، لیکن سائنسی لیبر مینجمنٹ کے اصولوں کو فروغ دینے کے ارادے سے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بات چیت اور لیکچر دیتے رہے۔ ٹیلر اور اس کی اہلیہ نے تین بچوں کو گود لیا تھا، اور سن 1904ء سے 1914ء کے عشرے کے دوران، وہ سب فلاڈیلفیا میں مقیم تھے۔ ٹیلر کو زندگی بھر بہت سراہا گیا۔ 1906ء میں امریکن سوسائٹی آف مکینیکل انجینئرز (ASME) نے ان کا صدر نامزد کیا۔ اسی سال انہوں نے یونیورسٹی آف پنسلوانیا کے ذریعہ سائنس کے شعبے میں ڈاکٹر آنرز کاسہ کی تقرری حاصل کی۔ ان کی

ایک سب سے زیادہ جذباتی شرکت 1912ء میں ہوئی، جب اس نے اپنے آپ کو مشینری مینجمنٹ سسٹم کی خصوصیات کو سامنے لانے کے ارادے سے، ریاستہائے متحدہ امریکہ کی کانگریس کی ایک خصوصی کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔

فریڈرک ٹیلر کا نظریہ سائنسی انتظام خاص طور پر ایک ایسے نظام کی تشکیل پر مبنی ہے جس کے ذریعے آجر اور ملازم دونوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور خوشحالی ملنے کا امکان ہو سکتا ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے انتظامیہ کو یہ یقینی بنانا ہوگا کہ اس کے ملازمین کو مستقل اور معیاری تربیت حاصل ہو، تاکہ ہر بار وہ اپنے کام میں بہتر ہوں، جس کے نتیجے میں پیداوار بہتر ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ، ٹیلر کے دلائل کا ایک حصہ اس حقیقت پر مرکوز تھا کہ ہر ملازم کی مہارت کو اس سرگرمی میں ایڈجسٹ کرنا ہوگا جس کے لئے اس کی خدمات حاصل کی گئیں، اور مستقل تربیت سے ان صلاحیتوں کو بہتر اور بہتر ہونے کا موقع ملے گا۔

ٹیلر کے زمانے میں، سب سے عام فہم یہ تھا کہ ملازمین اور آجروں کے اہداف ایک ساتھ نہیں ہو سکتے ہیں۔ تاہم، ٹیلر بیان کرتا ہے کہ یہ معاملہ نہیں ہے، چونکہ دونوں گروہوں کو ایک ہی مقصد کی طرف رہنمائی کرنا ممکن ہے، جو اعلی اور موثر پیداواری ہے۔ یہ تصور ان لوگوں کے عمل سے براہ راست جڑا ہوا ہے جو انتظامی کام انجام دیتے ہیں۔ وہی ہیں جن کو لازما Disfunction Methods ناکارہ طریقوں کو تبدیل کرنا چاہئے اور اس بات کی ضمانت دینا ہوگی کہ کارکن ہر سرگرمی کو انجام دینے کے لئے مقررہ اوقات کی پابندی کریں گے۔

ایک مناسب انتظام اور اس سائنسی کردار کے ساتھ جو ٹیلر نے متعارف کرایا ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر سرگرمی سے وابستہ اوقات کیا ہوتے ہیں، تاخیر کیا ہوتی ہے، انہیں کیا پیدا کیا جاتا ہے اور کارکنوں کو ہر ایک کی صحیح طور پر تعمیل کرنے کے لئے کون سی خاص حرکت کرنا چاہئے۔ کام

اس کے علاوہ، یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کیا کام انجام دیئے جاتے ہیں، وہ ٹولز جو کاموں کے نفاذ کے لئے ضروری ہیں اور وہ لوگ جو پیداوار سے وابستہ ہر عمل کے لئے ذمہ دار ہیں۔ فریڈرک ٹیلر نے زور دے کر کہا کہ ہر کارکن کو ان کی مخصوص صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے منتخب کیا جانا چاہئے۔

اس طرح سے، کام کو زیادہ موثر اور بہتر طریقے سے انجام دیا جا سکتا ہے، اور ورکر یہ جانتے ہوئے بہتر محسوس کرے گا کہ وہ جس کام کے لئے اسے تفویض کیا گیا ہے اسے انجام دینے کے قابل ہے۔ زیادہ درست انتخاب کرنے کے قابل ہونا ایک طریقہ کار اور تجزیاتی انداز میں غور کرنے کا نتیجہ ہے کہ ہر کام کی نوعیت کیا ہے، اور وہ کون سے عناصر ہیں جو اسے مرتب کرتے ہیں۔

کسی عمل کی خصوصیات کو زیادہ سے زیادہ حد سے دور کرنے کے قابل ہونے کی وجہ سے، یہ واضح طور پر شناخت کرنا ممکن ہے کہ آپریٹر میں مطلوبہ صلاحیتیں کیا ہیں تاکہ اس کام کو بہترین طریقے سے انجام دے سکے۔ ٹیلر نے اشارہ کیا کہ یہ بنیادی بات ہے کہ وہ کارکن، جو آخر کار نظام چلاتے ہیں، اسی مقصد کا تعاقب کرتے ہیں جیسے منیجر۔ پیداوار اور کارکردگی میں اضافہ۔

اس کے لئے، ٹیلر کا مؤقف ہے کہ کارکنوں کو دی جانے والی معاوضہ پیداوار سے متعلق ہونا چاہئے۔ یعنی، یہ تجویز کرتا ہے کہ معاوضے کو انجام دیئے گئے کاموں کی تعداد یا تیار کردہ اشیاء کی بنیاد پر بڑھایا جائے۔ اس طرح سے، جو زیادہ پیدا کرتا ہے وہ زیادہ کماتا ہے۔ اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ ملازمت کے تخروپن سے بچنے کا یہ ایک طریقہ ہے، کیونکہ ملازمین زیادہ آمدنی پیدا کرنے کے لیے ممکنہ حد تک موثر انداز میں برتاؤ کریں گے۔ اپنی تحقیق میں، ٹیلر نے مشاہدہ کیا کہ اگر کسی کارکن نے محسوس کیا کہ اس نے اپنی پیداوار کی سطح کی پرواہ کیے بغیر، وہ کمایا تو، وہ اپنی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے کوشاں نہیں ہے۔ اس کے برعکس، اسے ایسا کرنے کا کوئی راستہ ملے گا تاکہ بے جا کوشش نہ کرے۔ ■

نیاگرافالز(Niagra Falls)
دنیاکاآٹھواں عجوبہ

مہناز غنی

نیاگرافالز دریائے نیاگراپر دوآبشاروں پر مشتمل ہے، جواس کے بیچ سرحد کی نشاندہی کرتاہے نیویارک اوراونٹاریو، کینیڈا: امریکن فالز، جوسرحد کے امریکی کنارے پرواقع ہے، اور کینیڈاکی طرف کینیڈین یاہارسشو فالز۔امریکن فالز کے دائیں جانب ایک چھوٹا سا آبشار ہے جسے قدرتی قوتوں نے امریکی آبشار سے الگ کردیاہے، جسے عام طورپر برائڈل ویل فالز کہاجاتاہے۔

دنیابھرسے بارہ ملین سیاح ہرموسم گرمامیں نیاگرافالز جاتے ہیں۔

کینیڈاقدرتی وسائل کے حوالے سے ایک خود کفیل ملک ہے، میٹھے اور شفاف پانی کے سب سے زیادہ ذخائراس کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں،ایک رپورٹ کے مطابق اس جنت ارضی کے طول و عرض میں چھ ہزار سے زائد چھوٹی بڑی میٹھے پانی کی ایسی جھیلیں ہیں جو تین کلومیٹر سے بڑی ہیں، نیاگرا آبشار جنت نظیر کینیڈا کی پہچان بھی ہے،اسے دنیا کی سب سے بڑی آبشار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے، قدرتی طورپر یہ آبشار کینیڈاسے امریکہ تک پھیلی ہوئی ہے،امریکہ میں اسے نیاگرافالز جبکہ کینیڈامیں نیاگرا فالز کہا جاتاہے،یہ آبشار دریائے نیاگراپر ایک گرجدارآواز کے ساتھ پہاڑ گرنے سے وجودمیں آئی تھی،

آبشار کا بڑا حصہ کینیڈا میں واقع ہے۔ براعظم شمالی امریکامیں کینیڈااور ریاست ہائے متحدہ امریکاکی سرحدپر واقع

دنیا کی مشہور ترین آبشار، جسے حسن فطرت کا عظیم شاہکار اور دنیا کے قدرتی عجائبات میں سے ایک سمجھا جاتا ہے اور یہ دنیا میں سیاحوں کے پسندیدہ ترین مقامات میں بھی شامل ہے

ایک اندازے کے مطابق 12،000 سال قبل جب یہ آبشار تشکیل پایا تھا تو اس آبشار کا کنارہ آج کے مقابلے میں دریا کے نیچے سات میل دور تھا۔1950 کی دہائی تک، جب پانی کے بہاؤ پر قابو پانا شروع ہوا تو، اس آبشار کا دہرا کٹاؤ کی وجہ سے ہر سال ایک اندازے کے مطابق تین فٹ پیچھے پیچھے چلا گیا۔

پانی جو آبشار پر آتا ہے وہ عظیم جھیلوں سے آتا ہے۔ پانی کا نوے فیصد پانی ہارسشو فالز کے اوپر جاتا ہے۔ اصل میں، زیادہ سے زیادہ 5.5 پانی کی فی گھنٹہ ارب گیلن فالز کے اوپر بہہ گئی۔ کٹاؤ کو سست کرنے کے لئے آج کینیڈا اور امریکی حکومتوں کے ذریعہ اس رقم کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا کو بجلی فراہم کرنے کے لئے کچھ پانی کا رخ موڑ دیا گیا ہے، جس سے نیاگرا فالز کو دنیا میں بجلی کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

ہارسشو فالز 170 فٹ اونچا ہے۔ اس فالز کے دہانے ایک طرف سے دوسری طرف تقریباً 2، 2500 فٹ ہے۔

امریکن فالز 180 فٹ اونچائی اور 100،1 فٹ لمبی ہے۔ نیاگرا فالز کے نیچے دریا کی اوسط 170 فٹ گہرائی ہے۔ بہار کے اوپر جانے والے ڈیئر ڈیول عام طور پر سطح پر واپس آنے سے پہلے ندی کے نیچے جاتے ہیں۔

جین لوسیئر:

فالز پر جانے والا تیسرا شخص، لوسیئر نے فیصلہ کیا 4 جولائی، 1928، بیرل میں نہیں، بلکہ چھ فٹ کی ربڑ کی گیند کے اندر جو آکسیجن سے بھرے ربڑ کے نلکوں سے کھڑا تھا۔ وہ بچ گیا اور اس کے بعد گیند کے ربڑ والے نلکوں کے ٹکڑے بیچ کر اضافی رقم کمایا۔

جارج اسٹیٹاکیس:

اس مہم جوئی نے 4 جولائی، 1930 کو دس فٹ، ایک ٹن لکڑی کے بیرل میں چھلانگ لگائی۔ تاہم افسوس کی بات یہ ہے، کہ چودہ گھنٹوں تک اسٹاکیس کا بیرل اس زوال کے پیچھے پھنس گیا۔ تین گھنٹوں تک زندہ رہنے کے لئے صرف اتنی فضاء رکھنے کے بعد، اسٹھاکیس کو بچانے سے پہلے ہی اس کی موت ہوگئی، لیکن اس کا 105 سالہ پالتو جانور کچھی، سونی بوائے اس سفر میں زندہ بچ گیا۔

ریڈ ہل جونیئر:

ایک مشہور نانگرا فالز ایریا کے سب سے بڑے بیٹے، ریڈ، جونیئر، 5 اگست 1951 کو اس آبشار پر چلے گئے۔ ان کے والد، ریڈ ہل، جونیئر نے زوال کی تاریخ میں مستقل مقام حاصل کر لیا تھا۔ ریور مین ندی سے 177 لاشیں کھینچنے کے علاوہ، ہل نے تین بار خوف زدہ بھنور ریپڈس کو اپنے ہی بیرل میں گرنے سے نیچے بہادیا۔ ریڈ، جونیئر، نے ہارسشو فالز کی بہادری کرتے ہوئے اس خاندانی روایت کو ایک قدم آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا جس کو انہوں نے ''چیز'' کہا تھا، تیرہ اندرونی ٹیوبوں سے بنا ہوا ایک ہلکا پھلکا بنایا ہوا بیڑا جس کو جوڑ کر رسی کے ساتھ باندھ کر مچھلی کے جال میں بند کیا گیا تھا۔ اس کے ڈوب جانے کے فورا بعد ہی، بیڑے کے اندرونی ٹیوبیں دریا کی سطح پر آنا شروع ہو گئیں، لیکن ہل کا کوئی نشان نہیں ملا۔ اگلے دن تک اس کا گھٹا ہوا جسم برآمد نہیں ہوا تھا۔

جسی تیز:

تیز، جنھوں نے اس زوال کے اوپر جا کر اسٹنٹ مین کی حیثیت سے اپنے کیریئر کو آگے بڑھانے کی امید کی تھی، 5 جون، 1990 کو بغیر کسی ہیلمیٹ یا لائف بنیان کے ایک سفید پانی کی کیک میں یہ کارنامہ آزمانے کا انتخاب کیا۔ اس کی لاش کبھی بازیاب نہیں ہوئی۔ پانچ سال بعد، رابرٹ اوور یکر نے جیٹ اسکی پر پڑنے والے زوال کو دیکھنے کی کوشش کی۔ 1901 کے بعد سے پندرہویں فرد نے جان بوجھ کر اسے زوال کے بارے میں سمجھنے کی کوشش کی، اوور یکر فوت ہو گیا۔ اس کی لاش کو نوکرانی کی نوکری سے برآمد کیا گیا، یہ فیری بوٹ جو زائرین کو قریب آنے کے لئے فالز کے دامن تک لے جاتی ہے۔

اسٹیون ٹروٹر اور لوری مارٹن:

18 جون 1995 کو، ٹراٹر اور مارٹن ایک بیرل میں ایک ساتھ مل کر اس آبشار پر جانے والے پہلے مرد اور عورت بن گئے۔ 1985 میں، ٹروٹر نے یہ سفر خود ہی کیا تھا، اس طرح کے اندرونی ٹیوبوں میں بند دو اچار بیرل سے بنے ہوئے مانع حمل میں۔ 1989 میں، کینیڈا کے پیٹر ڈیبر ناردی اور جیفری پیٹکوچ ایک ہی بیرل میں آمنے سامنے گرنے والی پہلی ٹیم بن گئ تھی۔ وہ معمولی زخمی ہونے سے بچ گئے، جیسے ٹراٹر اور مارٹن۔

جین لوسیئر:

فالز پر جانے والا تیسرا شخص، لوسیئر نے فیصلہ کیا 4 جولائی، 1928، بیرل میں نہیں، بلکہ چھ فٹ کی ربڑ کی گیند کے اندر جو آکسیجن سے بھرے ربڑ کے نلکوں سے کھڑا تھا۔ وہ بچ گیا اور اس کے بعد گیند کے ربڑ والے نلکوں کے ٹکڑے بیچ کر اضافی رقم کمایا۔

جارج اسٹیٹا کیس:

1678ء فرانسکان راہب اور ایکسپلورر لوئس ہینپین اس زوال کا سامنا کرنے والے پہلے یورپی ایکسپلورر بن گئے۔ متاثر ہوئے، ہینپین نے اندازہ لگایا کہ یہ زوال ایک ناقابل یقین 600 فٹ اونچائی ہے—— حالانکہ حقیقت میں وہ 170 فٹ بلند ہے۔

1846ء نیاگرا فالز میں سیاحوں کے لئے سب سے زیادہ پرکشش مقام، مائیڈ آف دی مسٹ نے اپنے ایک عمدہ سفر کو فیری کے طور پر بنایا ہے، جو دریا کے اس پار لوگوں، سامان اور میل کو لے جانے کے لئے فیس لیتا ہے۔ جب 1846 میں ایک پُل کی تکمیل سے کاروبار میں کمی آنا شروع ہوجاتی ہے تو، میڈ آف دی مسٹ ایک سیاحتی سیاحتی کشتی بن جاتی ہے، جو زائرین کو ہارسشو فالز کے قریب لے جاتی ہے۔

مارچ 1848ء ریکارڈ شدہ تاریخ میں پہلی مرتبہ، تیز آندھی سے چلنے والی تیز ہواؤں کی وجہ سے یہ آبشار خشک ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ نیو یارک کے علاقے بفیلو کے قریب ندی کا پانی بند ہونے والی برف کی ایک جام کے علاوہ، آئری جھیل میں بھی پانی برقرار رہتا ہے۔ قصبے کے لوگ خوشی سے ندی کے کنارے اور اس آبشار کے کنارے کی کھوج کرتے ہیں، اور دوسری چیزوں کے علاوہ، 1812 کی جنگ سے منسلک ملتے ہیں۔

1848ء انجینئر چارلس ایلیٹ کی ہدایت پر، نیاگرا گھاٹی کے اس پار پہلا سروس پل مکمل ہوگیا ہے۔ سات سال بعد، جان روبلنگ نے ایک اور معطلی پل مکمل کیا، جس میں دو سطحوں کیر تیج اور ریلوے ٹریفک ہے۔ ٹرین کا وزن اٹھانے کے لئے تار کیبلز کے ذریعہ معطل یہ پہلا معطلی پل ہے۔

مئی 1857ء بڑے پیمانے پر نیاگرا فالز کی خوبصورتی اور طاقت کو مناسب طریقے سے گرفت میں لانے کے لئے پہلی پینٹنگ سمجھی جاتی ہے، فریڈرک چرچ پہلی بار نیو یارک شہر میں اپنے لینڈ سکریپ کا شاہکار، گریٹ فال، نیاگراد کھاتا ہے۔

سمر 1859ء جین فرانکوئس گورلیٹ، جسے ''عظیم بلونڈین'' کے نام سے جانا جاتا ہے، ناگرا گھاٹی کے پار، ریپڈس کے زوال سے قریب ایک میل کے فاصلے پر، ٹائٹرپ واک کے ایک مشہور سلسلے کا آغاز کرتا ہے۔ اس ایکٹ میں 25،000 افراد کی تعداد میں ہجوم ہے۔ یہاں تک کہ گورڈن اپنے مینیجر کو پیٹھ پر رسی کے اوپر لے جانے کا انتظام کرتا ہے۔

15 جولائی 1885ء نیاگرا ریزرویشن اسٹیٹ پارک کھل گیا، جس میں 750،000 زائرین راغب ہوں۔ یہ ریاستہائے متحدہ میں قائم ہونے والا پہلا ریاستی پارک ہے۔

11 جولائی، 1920ء چارلس اسٹیفنز، پہلا شخص لیکن دوسرا شخص-اس زوال پر جانے کے لئے 600 پاؤنڈ کے بلوط بیرل میں ڈوب گیا۔ پانی کی طاقت نے بیرل کو پھاڑ دیا اور اسٹیفنس ہلاک ہوگیا۔اس کا دایاں بازو اس کا واحد حصہ ہے جو بازیافت ہوسکتا ہے۔

یاد رہے کہ سنہ 1848 یعنی کہ لگ بھگ 171 سال قبل معلوم تاریخ کا وہ واحد سال تھا جب نیاگرا فال مکمل طور پر جم گیا تھا جس کے سبب پانی کا بہاؤ مکمل رک گیا تھا اور اوپر کے علاقوں میں سیلابی صورتحال پیدا ہوگئی تھی۔اس کے بعد یہ کبھی بھی مکمل طور پر منجمد نہ ہوا۔

ویسے تو اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ کہا جاتا ہے مگر اپنے رومان پرور ماحول کی وجہ سے اسے عالمی ہنی مون کیپیٹل کا نام بھی دیا گیا ہے۔

اسے پہلی بار 1678ء میں فادر لوئس ہی پن نے دریافت کیا۔1759ء میں سیور ڈی لاسالی نے یہاں ایک قلعہ فورٹ کاؤنٹی قائم کیا جس کا نام بعدازاں فورٹ نیاگرا ہوگیا۔

انگریزوں نے سر ولیم جانسن کی زیر قیادت لڑائی میں یہ قلعہ فرانسیسیوں سے چھینا۔1819ء میں دریائے نیا گرا کو امریکا اور کینیڈا کے درمیان سرحد تسلیم کیا گیا اور 1848ء میں نیا گرا کو قصبے کا درجہ دے دیا گیا، یہی قصبہ 1892ء میں شہر کا روپ اختیار کر گیا۔امریکا اور کینیڈا سے بذریعہ ہوائی جہاز، سڑک یا ریل گاڑی نیا گرا پہنچا جاسکتا ہے۔دونوں ممالک کے درمیان بذریعہ نیا گرا ریل اور سڑک رابطہ کے لئے دریائے نیا گرا پر دو پل واقع ہیں جن میں سے رین بو برج بہت مقبول ہے جو 1941ء میں تعمیر ہوا اور اس کا تعمیراتی حسن آج بھی برقرار

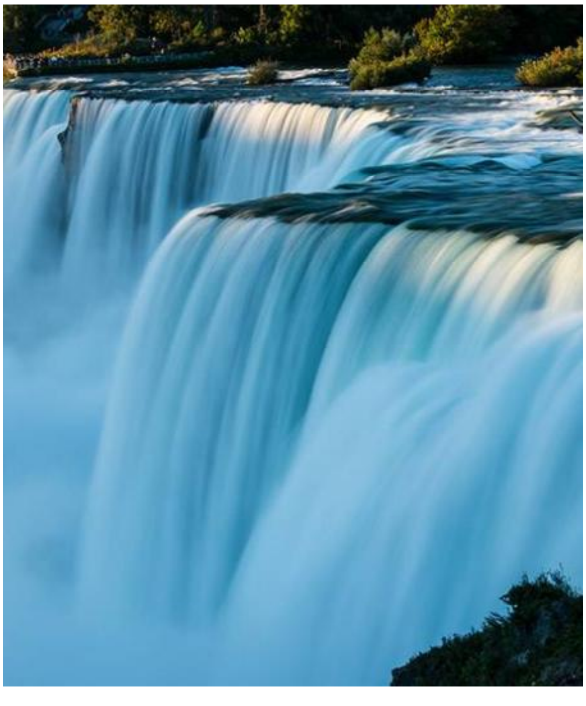

ہے۔ قوسی شکل میں تعمیر کردہ یہ پل امریکا اور کینیڈا کے درمیان مصروف ترین گزرگاہ ہے،دوسرے برج کا نام پیس برج ہے۔نیا گرا آبشار کا زیادہ تر حسین حصہ کینیڈا کی جانب ہے جس کے لیے امریکہ سے قوس قزح پل سے بذریعہ گاڑی یا پیدل کینیڈا میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔اسی راستے امریکا اور کینیڈا کے درمیان روزانہ سینکڑوں ٹرک رسل و رسائل کا ذریعہ بھی ہیں،دونوں ملکوں کے شہریوں کو سرحد عبور کرنے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ دیگر اکثر ممالک کے باشندوں کے لیے ویزا لازمی ہے۔دریائے نیا گرا بر اعظم شمالی امریکا کی عظیم جھیلوں میں سے دو جھیلوں ایری اور اونٹاریو کو ملاتا ہے۔اس دریا میں واقع جزیرہ گوٹ دریائے نیا گرا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے جس سے نیا گرا کی عظیم آبشاریں جنم لیتی ہیں۔ دراصل نیا گرا آبشار کے تین بڑے حصے ہیں جن میں سب سے بڑا اور متاثر کن کینیڈین حصے کی جانب ہے اور گھوڑے کی نعل کی شکل میں ہونے کے باعث ہارس شو (Horse Shoe) کہلاتا ہے۔اس آبشار کی لمبائی 173 فٹ اور چوڑائی 2500 فٹ ہے۔امریکا کی جانب بہنے والی آبشار کو امریکی آبشار کہتے ہیں جس کی لمبائی 182 فٹ ہے چوڑائی 1100 فٹ ہے۔تیسری نسبتاً چھوٹی آبشار برائڈل ویل (Bridal Veil) کہلاتی ہے۔■

کتابیں جو آپ کی زندگی کو بدل دیں گی

قرۃ العین ذیشان

انٹوائن ڈی سینٹ ایکسپیوری ''چھوٹا پرنس''
جیروم سالنگر ''رائی میں پکڑنے والا''
فرانسس اسکاٹ فٹز جیرالڈ ''دی گریٹ گیٹسبی''
آسکر وائلڈ ''ڈورین گرے کا پورٹریٹ''
ایرک ماریہ ریمارک ''تین ساتھی''
گیبریل گارسیا مارکیز ''ایک سو سال کا خلوت''
عین رینڈ ''اٹلس منتقل کر دیا گیا''
گریگوری ڈیوڈ رابرٹس ''شانترم''
میخائل بلگاکوف ''ماسٹر اینڈ مار گریٹا''
سیر گی میناف ''ڈھوس۔ جعلی آدمی کی کہانی''

عالمی ادب گہرا اور کثیر الجہتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت آہستہ آہستہ نئی نسلوں کی نظروں میں معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود، عالمی فنڈ میں کم از کم دس دلکش اور غیر معمولی کتابیں موجود ہیں، جن کو پڑھنے سے عشق رکھنے والے شخص کو بھی ضرور پڑھنا چاہئے۔

انٹوائن ڈی سینٹ ایکسپیوری ''چھوٹا پرنس''

غالبا، آپ نے بچوں کے اس پریوں کی کہانی کے بارے میں ایک سے زیادہ مرتبہ سنا ہو گا، جو حقیقت میں تمام عمر کے لئے کام ہے۔ خود انتون ڈی سینٹ ایکسوپری کی کاپی رائٹ کی عکاسیوں والی یہ انوکھی کتاب، کسی بھی شخص کی زندگی کے سب سے پیچیدہ امور کو ظاہر کرتی ہے، جیسے پیار اور دوستی، وفاداری اور ڈیوٹی، اچھائی اور برائی، اور بہت کچھ۔

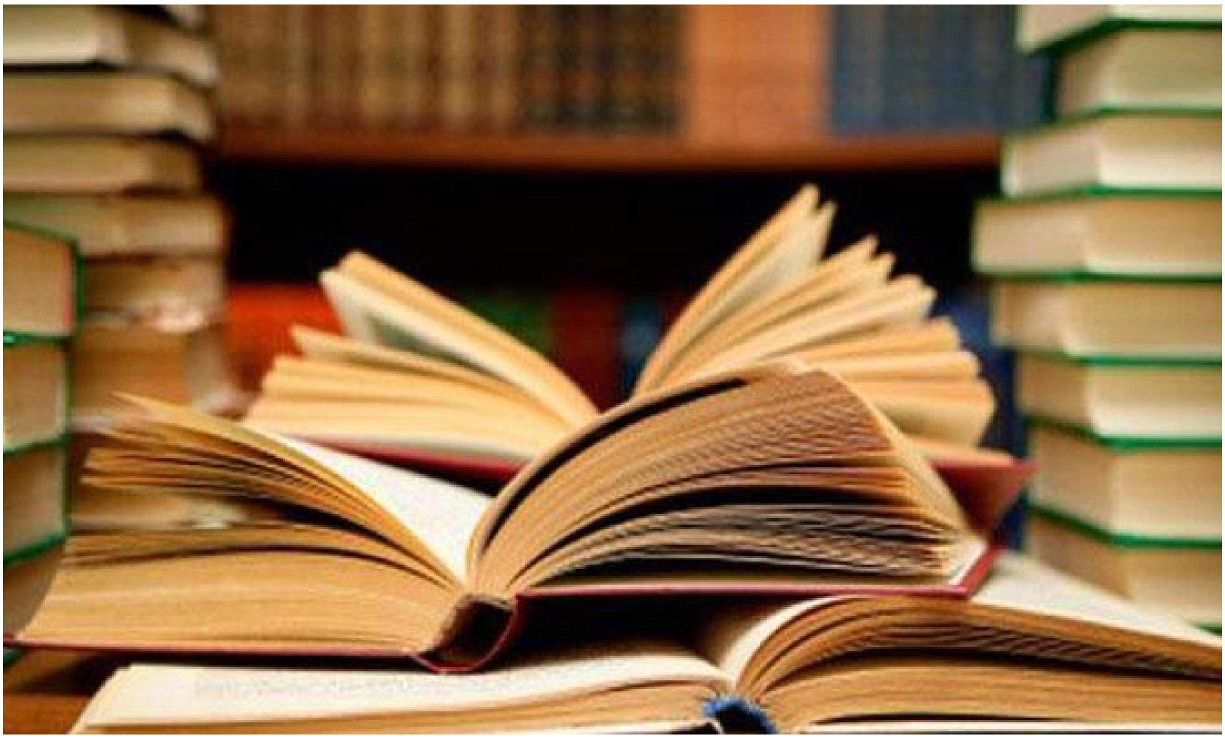

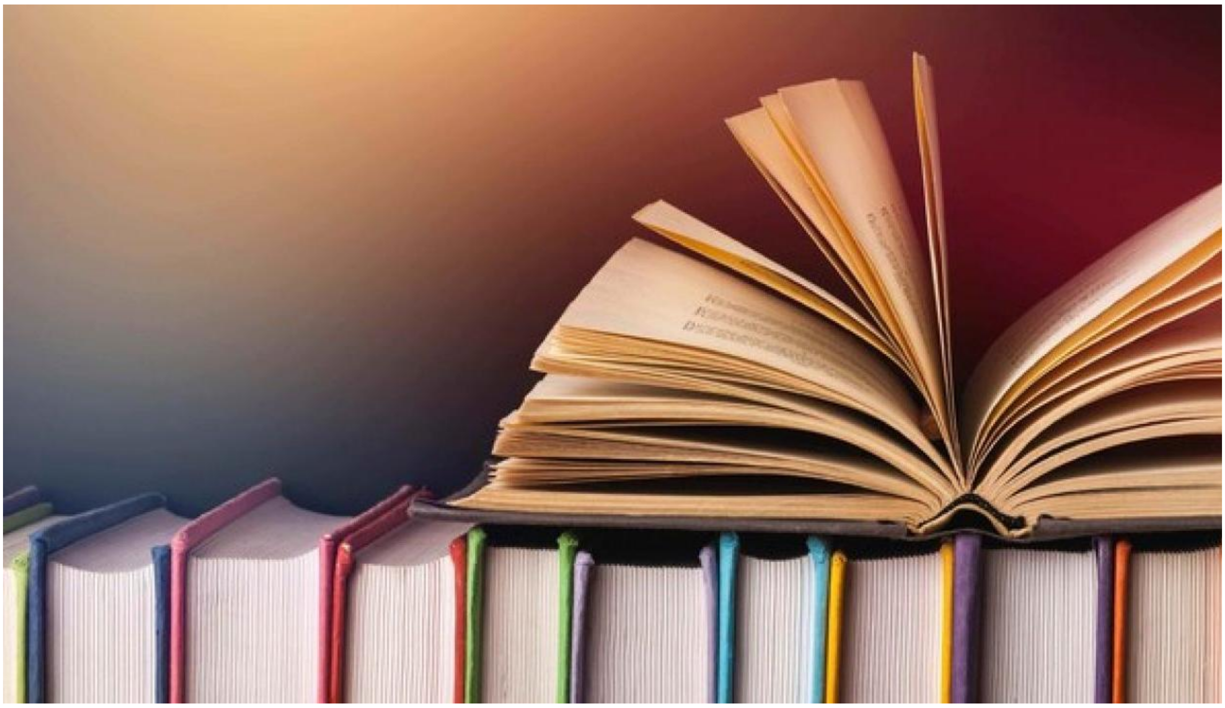

جیروم سالنگر ''رائی میں پکڑنے والا''

ایک اور عالمی مشہور کام، جو نہ صرف بچوں اور نوعمروں کو پڑھتا ہے، بلکہ بالغ عمر کے لوگوں کو بھی پڑھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسے نوجوان کے بارے میں حیرت انگیز طور پر چھیدنے والی کہانی ہے جس میں بڑے ہونے والے نوجوان ہیں، جو ابتدا میں اپنے مشن کو مکمل طور پر نہیں سمجھتا اور آزادانہ طور پر زندگی کے مختلف رازوں کو سمجھتا ہے۔ کیا یہ واقف ہے؟ بالکل، ہاں کتاب میں زندگی کے خود ارادیت کے بارے میں بچپن سے ہی سوالات کے جوابات میں ایک سے زیادہ نسل قارئین کی تلاش کرتی ہے۔

فرانسس اسکاٹ فٹز جیرالڈ ''دی گریٹ گیٹسبی''

یہ کتاب زندگی کا بھرپور عکاس ہے اور امیر اور غریب کا مستقل تصادم ہے۔ فٹز جیرالڈ لوگوں کو بالکل مختلف کرداروں سے ظاہر کرتا ہے۔ ان میں سے کچھ، مکمل طور پر خالص روح کے ساتھ، پیسہ اور شہرت کو بھی خراب نہیں کر سکتے ہیں، اور کوئی بھی کسی بھی چیز کے ل ready تیار ہے، صرف معاشرے میں اپنی جگہ لینے کے لئے، دوسرے لوگوں کے ساتھ تقریب کے بغیر۔ اور یہ سب ایک ناقابل یقین حد تک رنگین دور کے پس منظر کے خلاف، پچھلی صدی کے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے 20 دہائیوں کے ''گرجنے'' کے پس منظر میں سامنے آتے ہیں۔

آسکر وائلڈ ''ڈورین گرے کا پورٹریٹ''

تصوراتی، بہترین پلاٹ کے ساتھ ایک حیرت انگیز طور پر گہرا رومانویس، ایسا سمجھا جاتا ہے جو واقعتا واقع ہوا ہے۔ آسکر وائلڈ نے اپنے واحد اور اہم کام میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک سادہ انسان کے اندرونی شیطانوں کا کتنا خوفناک ہو سکتا ہے، کتنا پیچیدہ اور کثیر الجہت کردار ہو سکتا ہے، جدید معاشرے کے مضامین سے کس طرح کا تعلق ہے۔

ایرک ماریہ ریمارک ''تین ساتھی''

ہر ایک نے اپنی زندگی میں کم سے کم ایک بار جنگ کے بارے میں کاموں کو پڑھا ہے، لیکن ان میں سے بہت کم لوگ خود لڑائیوں کے بارے میں اتنا نہیں بتاتے ہیں، بلکہ اس خوفناک وقت سے گزرنے والے لوگوں کے کرداروں اور ان کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں۔ اس کام کے مرکز میں تین ایسے نوجوان ہیں جو جنگ سے گزرے، لیکن نہ صرف تشدد اور ظلم کا سامنا کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ دوستی، عزت اور سچی محبت کا بھی سامنا کیا۔ ''تھری کامریڈز'' متضاد قوتوں سے بھری دنیا میں بھی جینے کی بے لگام مرضی

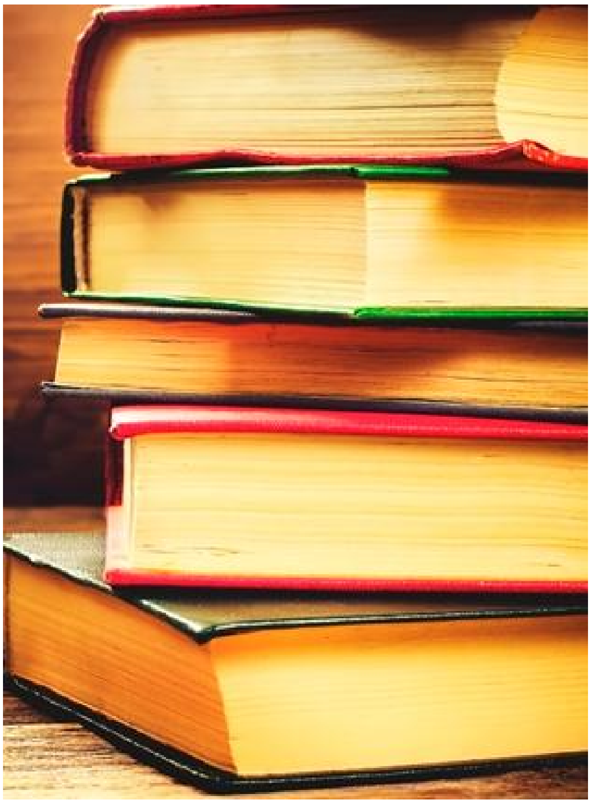

کے بارے میں ایک داستان ہے۔

گیبریل گارسیا مارکیز ''ایک سو سال کا خلوت''

یہ خزانہ کتاب، جادوئی حقیقت پسندی کی منفرد صنف کی نمائندہ ہے، اس میں بونڈیا قبیلے کی کہانی ہے، جس کے نمائندوں کو عملی طور پر ایک صدی تک تنہائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ خود مصنف کے تجربات ان کی المناک تقدیر میں جڑے ہوئے ہیں، نیز حقیقت پسندانہ شبیہہ اور کردار جو کسی بھی قاری کے قریبی اور قابل فہم ہوں گے۔

عین رینڈ ''اٹلس منتقل کر دیا گیا''

ریاستہائے متحدہ امریکہ اور پوری دنیا میں ادب کی تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ، روسی ہجرت الیسہ روزن بوم نے لکھا ہے، جس نے عین رینڈ کا نام لیا۔ کتاب کا پلاٹ گزشتہ صدی میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مختلف معاشی اور سیاسی مسائل سے وابستہ ہے، جس کے مرکز میں مرکزی کردار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی، ناول اخلاقیات کے اہم فلسفیانہ سوالات اٹھائے گا، جو تناؤ معاشرتی ماحول میں ہمیشہ مطابقت پذیر رہتے ہیں۔

گریگوری ڈیوڈ رابرٹس ''شانترم''

یہ دلچسپ ناول ایک ایسے شخص کا اعتراف ہے جس کو زندگی بھر معاشرے میں محبت، دوستی، ناانصافی اور ظلم و ستم میں طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی، کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی تمام خرابیوں کے ساتھ، ہر شخص زندگی کو ایک مختلف زاویے سے دیکھنے اور دیکھنے میں کامیاب ہے۔

میخائل بلگاکوف ''ماسٹر اینڈ مارگریٹا''

اس غیر معمولی ناول میں طنز، تخیل اور یہاں تک کہ بائبل کے نقش کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ اچھandی اور برائی کے درمیان دائمی محاذ آرائی اور آخری صدی کے آغاز میں عام مسکوائٹس کے معاشرتی مسائل کے خاتمے سے، بہت سارے موضوعات سے جڑا ہوا ہے۔ کیا شیطان اور خدا کا وجود ہے، اور اگر ہے تو، ان میں سے کون دنیا پر حکمرانی کرتا ہے؟ کیا انسان اپنی تقدیر کا مالک ہے، یا ہر چیز پہلے سے متعین ہے؟ ان اور دیگر سوالات کے جوابات کام کے پڑھنے والے کے ذریعہ ملیں گے۔

■

اکتوبر
2022ء
ماہنامہ اظہار کراچی

کینسر کے مریضوں کے لیے جدید علاج

سمیع اللہ

پروٹون تابکاری کا علاج پچھلے کئی سالوں سے چھاتی کے کینسر کے خلاف جنگ میں ڈرامائی طور پر آگے بڑھا ہے، اور مریضوں نے دریافت کیا ہے کہ تحقیق نے کیا دکھایا ہے: یہ دنیا کا سب سے محفوظ اور موثر کینسر علاج ہے۔

پروٹون تھراپی کینسر کے علاج کی ایک انتہائی درست اور بہت کم ناگوار شکل ہے۔ پروٹونس ایک مثبت چارج والے سباٹومی ذرات ہوتے ہیں جنہیں کسی ٹیومر پر براہ راست تابکاری کو روکنے اور پہنچانے کے لئے جوڑ توڑ اور قابو پایا جاسکتا ہے، بیرونی ٹیومر کی دیوار کے علاوہ مزید سفر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ خاص طور پر ان لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے جو تابکاری کا شکار ہیں یا اس سے پہلے یا فوری طور پر ملحقہ شعبے سے پہلے تابکاری حاصل کر چکے ہیں جس کا علاج کرنے کی ضرورت ہے۔

پروٹون تھراپی تابکاری تھراپی کی ایک بہت ہی عین مطابق شکل ہے جس کے نتیجے میں مریض کے جسم میں عام صحت مند ٹشوؤں کی تابکاری کم ہوتی ہے۔ معیاری ایکس رے تابکاری کے مقابلے میں ثانوی کینسر کے خطرے کو کم کرنے کے ساتھ مریض زیادہ تیزی سے صحت یاب ہو سکتے ہیں اور کم ضمنی اثرات کی اطلاع دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، پروسٹیٹ کینسر کے علاج میں مبتلا مرد آنتوں اور مثانے کے امور میں بہت کم واقعات کی اطلاع دیتے ہیں۔

معیاری ایکس رے اور پروٹون تابکاری دونوں قسم کے "بیرونی بیم" ریڈیو تھراپی ہیں جو کینسر کی مختلف اقسام کے علاج کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ تاہم، ہر ایک کی خصوصیات بہت مختلف ہوتی ہیں اور اس کے نتیجے میں مختلف سطحوں پر تابکاری کی نمائش ہوتی ہے۔ ٹیومر تک پہنچنے سے پہلے معیاری ایکس رے علاج معالجے اپنے راستوں پر توانائی جمع کرتے ہیں، اس طرح صحت مند ؤتکوں اور آس پاس کے اعضاء کو غیر ضروری اور ممکنہ طور پر نقصان دہ تابکاری فراہم کرتے ہیں۔ دوسری طرف، پروٹون تھراپی کی خوراک کو ٹیومر کے اندر زیادہ تر توانائی جمع کرنے کے لیے کنٹرول کیا

اکتوبر
2022ء
ماہنامہ اظہار کراچی

جاسکتا ہے۔

پروٹون تھراپی کا جدید ترین ترسیل کا طریقہ پینسل- بیم پروٹون تھراپی کو فعال طور پر اسکین کیا جاتا ہے۔ پروٹانوں کی اس شہتیر کو طاقتور مقناطیس (Magnets) استعمال کرتے ہوئے ٹیومر کے 2 ملی میٹر کے اندر کے علاقے میں ہدایت کی جاتی ہے۔ تابکاری کی اعلی خوراک کو ٹیومر کی منفرد شکل اور سائز کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور عام ڈھانچے کے بہت قریب ٹیومر کی طرف ہدایت کی جاسکتی ہے جس کو ہم نقصان پہنچانے سے بچنا چاہتے ہیں۔ تنگ مارجن صحت مند ؤتکوں اور آس پاس کے اعضاء کو تابکاری سے بچاتا ہے۔ پرانے غیر فعال بکھرے ہوئے پروٹون تھراپی کے علاج کے برعکس، پنسل بیم اسکیننگ ٹکنالوجی پروٹون بیم تھراپی کی صلاحیتوں میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ اس فعال طور پر اسکین شدہ پنسل بیم ٹیکنالوجی کسی کو انٹینسٹی ماڈیولیڈ پروٹون تھراپی (آئی ایم پی ٹی) فراہم کرنے کی بھی سہولت دیتی ہے۔

پروٹون بیم بھاری، چارجڈ ذرات سے بنا ہے، پروٹین جسم میں داخل ہوتے ہیں اور ہدف کے راستے میں صرف ایک چھوٹی سی خوراک جمع کرتے ہیں اور اس سے آگے عملی طور پر کوئی نہیں۔ جذب شدہ خوراک بہت آہستہ آہستہ زیادہ خوراک اور کم رفتار کے ساتھ بڑھتی ہے جب تک بیم تک نہ پہنچ جاتا ہے ایک نقطہ جس پر زیادہ سے زیادہ توانائی جمع کی جاتی ہے۔ جو بالکل ٹیومر سائٹ کے اندر ہی ہدایت کی جاتی ہے۔ اس توانائی کے پھٹنے کے فورا. بعد، پروٹون بیم مکمل طور پر رک جاتا ہے، اور کوئی اضافی تابکاری ختم ہو جاتی ہے۔

پروٹون تھراپی کا استعمال اسی کینسر اور ٹیومر کے علاج کے لئے کیا جاسکتا ہے جو معیاری ایکس رے تابکاری کا علاج کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے معیاری تابکاری کے ساتھ ہی، ایسے کینسر موجود ہیں جن کا علاج آسانی سے پروٹون سے نہیں کیا جاسکتا، جیسے کہ خون کے کینسر۔ ایسے کینسر بھی موجود ہیں جن میں مریض کے کسی فرد کے حالات، جیسے کینسر کے مرحلے یا تشخیص کے لحاظ سے پروٹون تھراپی مختص نہیں کی جاتی ہے۔ ہماری معالجین کی ٹیم اکثر مریضوں کو دوسری رائے پیش کرنے کے لیے دیکھتی ہے کہ آیا وہ پروٹون تھراپی کے امیدوار ہوں گے کیوں کہ ہر معاملے کا انفرادی طور پر اندازہ کرنا ضروری ہے کہ اس بات کا تعین کیا جاسکے کہ آیا پروٹون تھراپی علاج کا ایک اچھا انتخاب ہوگا۔ ایک خاص

علاقہ جہاں ہم بہت سے مریضوں کو دیکھتے ہیں وہ کینسر کے لئے ہے جو پچھلے شعاعی علاج کے بعد اسی علاقے میں واپس آئے ہیں۔ پروٹون تھراپی کی صحت سے متعلق، ہم اکثر تابکاری کا دوسرا کورس پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو دوسری صورت میں معیاری ایکس رے تابکاری تھراپی کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

1946 میں، امریکی طبیعیات دان اور مین ہیٹن پروجیکٹ گروپ کے سابق رہنما رابرٹ ولسن نے اپنے تاریخی کاغذ ''فاسٹ پروٹونز کے ریڈیولاجیکل استعمال'' کی اشاعت سے پروٹون تھراپی کے شعبے کی بنیاد رکھی۔ اس مقالے میں، انہوں نے سب سے پہلے یہ تجویز پیش کی کہ پروٹونز کو طبّی طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، عام ٹشوؤں کو بچانا اور ٹیومر کے اندر تابکاری کی مقدار کو زیادہ سے زیادہ جگہ دینے کی اجازت ہے۔

پروٹون تھراپی تقریباً 65 سال سے جاری ہے۔ پہلی پروٹون تابکاری کا علاج 1950ء کے وسط میں کیلیفورنیا یونیورسٹی، برکلے، اور بعد میں ہارورڈ سائکلوٹرن لیبارٹری میں طبیعیات کی لیبارٹری تحقیق کے لئے تیار کردہ ایک ذرہ ایکسلریٹر کا استعمال کر کے انجام دیا گیا تھا۔ 1990ء میں جنوبی کیلیفورنیا کے لوما لنڈا یونیورسٹی میڈیکل سنٹر میں ملک کا پہلا اسپتال میں قائم پروٹون تھراپی سینٹر کھلا۔ اس وقت سے، ریاستہائے متحدہ میں بیس سے زیادہ مریضوں پر مرکوز پروٹون تھراپی مراکز کھل چکے ہیں، جن میں سان ڈیاگو میں کیلیفورنیا پروٹونس کینسر تھراپی سنٹر بھی شامل ہے۔

پروٹون تھراپی میں سائکلروٹرن کا استعمال کس طرح ہوتا ہے؟

سائکلوٹرن ایک 90 ٹن آلہ ہے جس نے ایک سیکنڈ میں تقریباً 5 ٹریلین پروٹون تیار کیا ہے اور اس کے بعد ایک سرپل راہ کے ساتھ مرکز سے باہر کی طرف پروٹونز کو تیز رفتار 0.61، 100,000 میل فی سیکنڈ، یا روشنی کی رفتار سے 280 گنا تیز کرتا ہے، تاکہ شہتیر بنا سکیں۔ خاص طور پر ٹیومر تک پہنچنے کے. پروٹون بیم چکروٹرون سے بیم لائن تک جاتا ہے، جو عمارت کی لمبائی پر پھیلا ہوا ہے، اور بیم کے موڑنے اور ہر علاج معالجے میں توجہ مرکوز کرنے کے لئے برقی مقناطیس کی ایک سیریز کا استعمال کرتا ہے۔ وہاں سے، پروٹانوں کو کلینیکل صحت سے متعلق دو مخصوص بیم علاج کے کمروں میں سے ایک یا تین گھومنے والی گینٹری کے کمروں میں ایک خصوصی نوزل کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔ مثالی علاج کے زاویے کو یقینی بنانے کے ل The 360 ٹن گھومنے والی گینٹری مشین مریض کے گرد XNUMX گھومتی ہے۔

پروٹون تھراپی ٹیکنالوجی بڑے اور زیادہ فاسد شکل والے ٹیومر کے علاج کے لیے Treatment علاج کے اختیارات میں توسیع کرتی ہے۔ غیر فعال بکھرے ہوئے پروٹونوں کے مقابلے میں یہ ممکن ہے کہ اس کے مقابلے میں زیادہ ترقسم کے ٹیومر کا علاج کیا جا۔

ثانوی ٹیومر کے کم واقعات:

معیاری ایکس رے تابکاری کے مقابلے میں ثانوی ٹیومر کے کم واقعات میں تابکاری کی تباہی میں کمی واقع ہوئی ہے۔

کم سے کم ضمنی اثرات:

کیونکہ پروٹون تھراپی کسی ٹیومر کے گرد صحتمند بافتوں کو چھوڑ دیتی ہے، اس کے ضمنی اثرات جیسے اسہال، متلی، سر درد اور بھوک میں کمی کا امکان کم ہوتا ہے۔ علاج کے بعد، زیادہ تر مریض اپنے روزمرہ کے معمولات دوبارہ شروع کرتے ہیں۔

بڑی عمر میں غیر فعال بکھرے ہوئے پروٹون ٹکنالوجی کے بھاری، بوجھل آلات کو پنسل بیم سکیننگ سے تبدیل کیا۔ پرانی ٹیکنالوجی کے برعکس، ہمارے علاج معالجے کو کمپیوٹر میں لوڈ کیا جاسکتا ہے اور اسے کچھ ہی منٹوں میں مکمل کیا جاسکتا ہے تاکہ مریض تیزی سے اپنی زندگی میں واپس آسکیں۔

پروٹون تھراپی ایک نان ویوسیو اور اکثر تکلیف دہ علاج ہے، اس دوران مریض پروٹون بیم سے جسمانی احساس نہیں محسوس کرتے ہیں، بہت کم شور سنتے ہیں اور کم سے کم تکلیف کا سامنا کرتے ہیں۔ پرانی ٹیکنالوجی کے برعکس، علاج کے ہر سیشن میں لگ بھگ 30 منٹ لگتے ہیں، علاج کے اصل وقت میں صرف 1 سے 3 منٹ لگتے ہیں۔ مکمل دو طرفہ ویڈیو اور آڈیو میڈیکل ٹیم کے ممبروں اور مریضوں کو پورے عمل میں بات چیت کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

”سی ٹی تخروپن“ کے لئے مختصر یہ ایک ملاقات ہے جس کے دوران آپ کو اپنے مخصوص ٹیومر اور ٹیومر کی جگہ کے لئے درکار عین مطابق پوزیشن میں ٹریٹمنٹ ٹیبل کی نقل تیار کی جاتی ہے۔ اگر آپ کے علاج معالجے کی ضرورت ہو تو، ایک حسب ضرورت متحرک آلہ جیسے ماسک، ہیڈریسٹ یا دیگر آلہ تیار کیا جاتا ہے۔

پروٹون تھراپی تابکاری تھراپی کی ایک بہت ہی عین مطابق شکل ہے جس کے نتیجے میں مریض کے جسم میں عام صحت مند ٹشوؤں کی تابکاری کم ہوتی ہے۔ معیاری ایکس رے تابکاری کے مقابلے میں ثانوی کینسر کے خطرے کو کم کرنے کے ساتھ مریض زیادہ تیزی سے صحت یاب ہو سکتے ہیں اور کم ضمنی اثرات کی اطلاع دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، پروسٹیٹ کینسر کے علاج میں مبتلا مرد آنتوں اور مثانے کے امور میں بہت کم واقعات کی اطلاع دیتے ہیں۔

■

خدا بولتا ہے

نجیب عمر

یہ کائنات کتنی وسیع ہے ہمیں اس کا ادراک نہیں، یہ سات آسمان جو ایک دوسرے پر تنے اور کھنچے ہوئے ہیں یہ کتنی جگہ گھیرتی ہے اس کا کوئی بھی اندازہ نہیں۔ آسمان زمین سے غالباً پانچ سو نوری سال کی مسافت پر کسی سہارے کے بغیر ٹھہرا ہوا ہے۔ بلندی کی سمت پانچ سو نوری سال کے فاصلے پر نیچے سے اس کے اوپر دوسرا آسمان۔ اس کی موٹائی اور فاصلہ وہی 500- 500 سال نوری سال۔ پھر جا کر تیسرا آسمان، بلندی کی سمت اسی ترتیب سے بلند ہوتے جائیں تو ساتویں آسمان تک ہماری پہنچ ہو گی اس پر عرشِ الٰہی جسے آٹھ فرشتوں نے کاندھوں پر اٹھایا ہوا ہے ان فرشتوں کے۔ حجّے کو سمجھ لیجیے کہ کان کی لو سے بازو کا سرا جو سینے سے جڑا ہے اس کا فاصلہ پانچ سو نوری سال، اس عرشِ الٰہی کی وسعت کو ہم کیا جانیں۔ یہاں دو مسافتوں اور ایک حجم کا میں نے ذکر کیا ہے ہر آسمان کی موٹائی اور ہر دو آسمان کے درمیان کا فاصلہ پانچ پانچ سو نوری سال۔ ہر آسمان کے حجم کا جہاں تک تعلق ہے ایک دوسرے کے لیے انگشتری اور وسیع و عریض ریگستان۔ ہماری فکرِ رسا میں کہاں سما سکتے ہیں یہ ربِّ کائنات کی تخلیق ہو سکتی ہے۔

سات آسمان جن کی موٹائیاں پانچ، پانچ سو نوری سال ان کے درمیان فاصلہ بھی اتنا ہی۔ پہلے اور دوسرے آسمان انگلی کا چھلا تصور کریں تو اوپر والے آسمان کو وسیع و عریض صحرا جانیں اور وہ آسمان پھر چھلاّ (انگشتری) تو اس سے اوپر والا

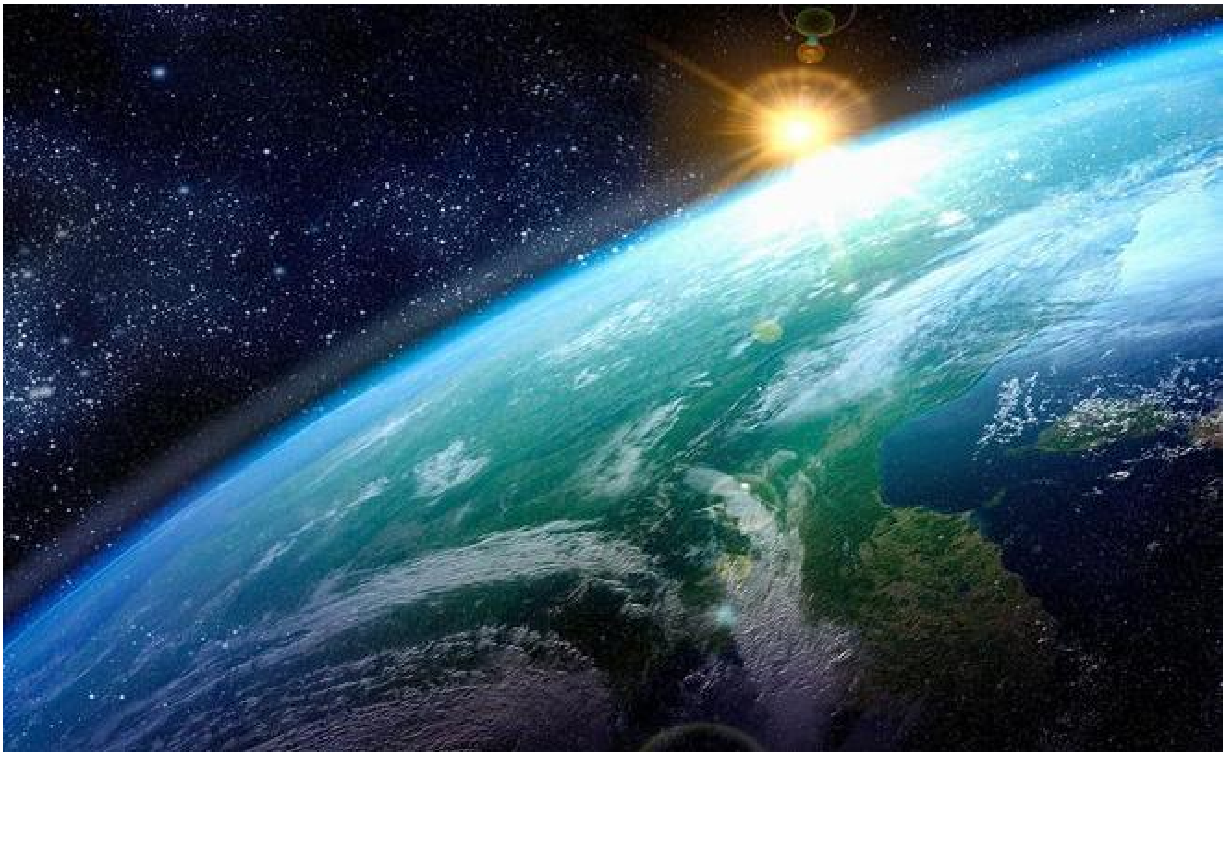

ماہنامہ اظہار کراچی

آسمان پھر صحرائے وسیع و عریض تو پہلے اور ساتویں آسمان کی وسعت کا موازنہ جس پر عرشِ الٰہی محیط ہے۔

انسان کی حیثیت اس کائنات میں ذرہ بھر بھی نہیں، چونکہ خلا کا ذکر مقصود ہے تو اسے پہلے زمین کو کرہ ہوائی یا کرہ فضا نے گھیرا ہوا ہے اور اس کی دبازت (موٹائی) دس ہزار کلو میٹر ہے۔ یہ گیسوں کا غلاف، سورج سے آنے والی مہلک شعاعوں کو روکنے کا کام بھی یہ فضا انجام دیتی ہے اور اس زمین پر زندگی اور ہر قسم کی حیات کو محفوظ اور مامون بنانا بھی اس کی ذمے داری ہے۔ اب فضا کے اوپر خلا اس خلا پر بات کرنے کے لیے یہ تمہید تھی۔ خلا سے متعلق بھی فقط ایک نکتہ میرا موضوع ہے یعنی ازل سے اب تک بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والی تمام آوازیں سب خلا میں محفوظ ہیں۔ اتنی ساری آوازیں، گفتگو، چیخ و پکار، کیا قدرت کا کرشمہ ہے اور وہی بزرگ و برتر ذات انسان کو اس ٹیکنالوجی سے روشناس کرے گی اور انسان اس قابل ہو جائے گا کہ آوازوں کے اس جنک یارڈ (Junk Yard) سے جہاں ساری آوازیں ایک دوسرے میں گڈمڈیاں کہہ لیں کہ زلفِ پریشاں ایک دوسرے میں الجھے ہوئے۔ کسی ایک آواز کو اس کی مخصوص فریکوینسی کی مدد سے شناخت کرکے باقی آواز کو اس کی مخصوص فریکوینسی کی مدد سے شناخت کر کے باقی آوازوں سے علیحدہ کرکے دنیا کو سنانے کے قابل بنا لے گا اور ماضی کے پرت ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی انفرادی شکل میں ہمارے سامنے ہوں گے آئے دن بریکنگ نیوز بنے گی، بہت ساری غلط فہمیاں، حقیقت آشکار ہونے کی بنا پر ماضی دہرائی جانے لگے گی میر ہی ایک قطعہ ملاحظہ فرمائیے۔

حال قطرہ ماضی ہو چلا،
مستقبل پگھل کے قدموں میں،
ماضی سب سے بڑا ذخیرہ ہے،
حیاتِ حال مٹتے لمحوں میں۔

ماضی ذخیرے کی صورت ہمارے ہاتھوں میں، آدم اور حوا اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتتے ٹھنڈی آہیں بھرتے۔ ہابیل اور قابیل آپس میں لڑتے۔ یکے بعد دیگرے انبیاءؑ کی داستانیں۔ دنیا میں وجدال، تعمیر میں تخریب، تخریب میں تعمیر، نجانے تاریخ کے کون کون سے گوشے آشکار ہوں گے۔ ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ۔ جن کا انکار ممکن نہیں، سائنس کی اس ایجاد کو تسلیم کیے بنا چارہ نہیں، کوئی کیسے جھٹلائے پھر ایک دوڑ شروع ہو جائے گی، ان دلیلوں کی حمایت یا مخالفت میں استعمال کرنے کی جنگ۔ ہم اندازہ ہی کر سکتے ہیں کیا صورت حال بنے گی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

آیئے تاریخ کے بھوسے کے ڈھیر میں چند چمکتی سوئیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

’’قابیل! تمہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی مرضی کیا ہے اور اس کے خلاف جانے کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔‘‘

’’ھابیل، میں نے والدین کو اپنا منشا بتا دیا ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ میں اپنی توام بہن سے ہی شادی کروں گا۔‘‘

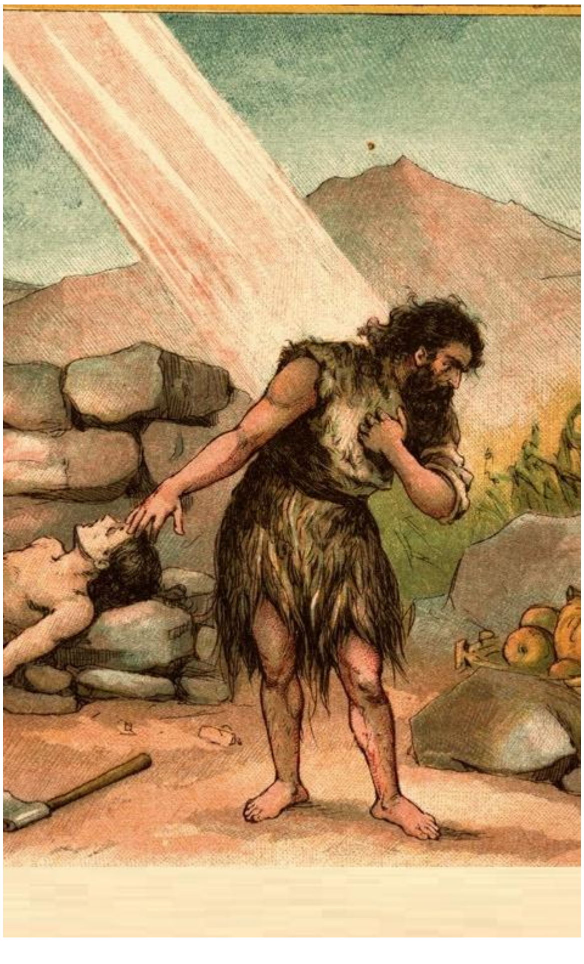

یہ اس دور کی بات ہے جب اس وسیع و عریض دنیا کی آبادی دو انسانوں پر مشتمل تھی، آدمؑ اور حواؑ، افزائش نسل کا قانون یہ بنا کہ غیر توام بہن سے نکاح جائز اور توام بہن سے ازدواجی تعلق حرام۔ ایک دوسری تشریح کتابوں میں یہ ملتی ہے کہ صبح پیدا ہونے والے کی شادی شام پیدا ہونے والے سے جائز اور اس کے برعکس ممنوع۔ ھابیل اور قابیل کے درمیان تکرار نزع کی صورت اختیار کر گئی قابیل کے حصے میں آنے ولی بہن شکل وصورت میں واجبی جبکہ دوسری بہن حسین و جمیل لہذا وہ قانون الہیہ کی پاسداری کو تیار نہیں اور مسئلے کا یہ حل ڈھونڈا کہ اپنے بھائی کی جان لے لی۔ مردہ بھائی کی لاش پر پشیمان بیٹھا تھا کہ ایک کوے کو مردہ کو دفن کرتا دیکھ کر بھائی کی تدفین کا بندوبست کیا اب ساری زندگی سوائے پچھتاوے کے کوئی دوسرے صورت نہیں۔ دنیا میں پہلے قتل کا مرتکب قابیل۔

ابتدائے آفرینش سے لمحہ موجود تک کی موجود آواز کی اسکریننگ کوئی آسان کام نہیں لیکن جو کچھ بھی حاصل ہوتا اسے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی۔

ایک آواز بنی اسرائیل کے جلیل القدر نبی موسیٰؑ جو بحیر قلزم کے ساحل پر اپنی قوم کو لے کر آ گئے ہیں۔ فرعون کی طاقتور فوج پیچھا کرتے دوڑی چلی آئے، موسیٰ کی قوم سخت پریشان کہ سامنے سمندر پشت پر جبار قہار فرعون۔ موسیٰؑ سمندر پر اپنی معجزے والی لاٹھی مارتے ہیں سمندر دو حصوں میں تقسیم۔ درمیان میں خشک راستہ۔ موسیٰ اپنی قوم کو لے کر اس خدائی معجزے والے راستے پر گامزن۔ ساری قوم قلزم کے دوسرے کنارے پر۔ فرعون اسی مقام پر پہنچتا ہے۔ حیرت استعجاب کا عالم تاہم بیڑہ غرق کروانے والے مشیران فرعون کو سمجھاتے ہیں کہ سمندر آپ کے خوف سے پھٹ گیا ہے، سامنے خشک راستہ۔ فرعون اپنے خدائی رعب میں سرشار اسی راہ پر چل پڑتا ہے۔ سمندر اس وقت تک دو حصوں میں جب فرعونی لشکر عین وسطِ بحر۔ سمندر کو مل جانے کا حکم۔ دنیا نے پھر ایک بار خدا سے لڑنے والے کا انجام دیکھا۔ ادھر خدائی دعویدار فرعون و موسیٰؑ اور ہاروںؑ کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہے لیکن دیر بہت ہو گئی تھی۔

ایک آواز اور پہچانی گئی کوہِ صفا سے اٹھنے ولی آواز۔ یاصباحا یاصباحا۔ باوجود دیکہ اسے صادقؑ اور امینؑ جانتے تھے ان کے سامنے اس کی پوری زندگی کھلی کتاب تھی تاہم حق و

صداقت کا ساتھ بہت کم لوگوں کے نصیب میں تھا۔

یہ قریشیوں کا دستور تھا کہ قوم کو کسی خطرے سے آگاہ کرنا ہو تو جبلِ صفا پر چڑھ کر پکارنے والا یاصباحا، یاصباحا کی آواز لگاتا اور قوم اس کا پیغام سننے جمع ہو جاتے بعثت کے بعد نبی کریم ﷺ نے مناسب جانا کہ اہل مکہ کو جبلِ صفا پر بلایا جائے اور انہیں پیغامِ ربانی پہنچایا جائے۔

آپ نے قوم کو بتایا کہ اگر تمہیں خبر دوں کہ ایک طاقتور فوج تم پر حملہ آور ہونے والی ہے، تو کیا تم میرا یقین کرو گے۔ سب نے بہ یک زبان کہا ضرور ہم نے تمہیں ہمیشہ کذب سے دور پایا ہے۔

آپ قوم کو بتانے لگے کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس کائنات کا مالک و مختار ایک اللہ قہار وجبار ہے جو ہمارا رب ہے۔ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو یہ تمہیں نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر نہیں۔

بس اتنا سننا تھا کہ سب آپے سے باہر ہونے لگے۔ آپ ﷺ کے سگے چچا ابولہب سب سے آگے بڑھ کر آپ ﷺ پر پتھر پھینکتا اور پکارتا جائے کہ محمد ﷺ تیرا ناس جائے (نعوذ باللہ) تو ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے اور نہ جانے کس ایک اللہ کی بات کرتا ہے۔

یہ تھا آغاز اس کشمکش کا جو تیرہ برس مکہ میں جاری رہی اور بہت تھوڑے سے قدسی صفت لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ باقی ساری قوم نے اس صادق اور امین کی دشمنی پر کمر کس لی۔

* * *

لیکن ختمی المرتبت ﷺ کی قیادت نے اسلام کی وہ بنیاد رکھ دی کہ فقط تئیس برسوں میں اسلام مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا۔ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کی خلافت نے عروج کا ایک زمانہ دیکھا تاہم منگولوں کی یلغار نے اسلامی سلطنت کو تاراج کیا کہ مشیت ایزدی نے اپنا کام دکھایا اور بقول اقبال:

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

دنیا کے نقشے میں نگول ایک ایسی قوم ابھری جس نے طاقت اور بربریت کا ایک نیا رنگ دکھایا، ان کی طاقتور فوج کے سامنے ٹکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ ان کے متعلق کہا جاتا کہ یہ گھوڑے کی پیٹھ پر پیدا ہوتے اور اسی پر مر جاتے۔ جنگ ان کے روز مرہ کے معمولات تھے اور جنگ کے بغیر یہ ناخوش رہتے دوڑتے گھوڑے کی پیٹھ اور پیٹ کے گرد دائرے میں گھوم جاتے۔

عام سپاہی سے ترقی کرتے ہموجن قوم کا سردار بن گیا اور فوج کا سپہ سالار بھی اس نے دنیا پر اپنی دہشت قائم کرلی تھی منگول خانہ بدوشوں کو ایک قوم میں بدل دیا۔ اپنی طاقت اور ذہانت سے دنیا کے بڑے حصے کا بلاشرکت غیرے حکمران بن گیا سردار کو خان یا خاقان کا لقب دیا جاتا لیکن اس کی عظمت کے پیش نظر اسے چنگیز خان کے لقب سے پکارا گیا اس کی ساری زندگی جنگ و جدال میں گزری تاہم جموکا اس کے بچپن کا دوست ایک بڑی فوج لے کر اس کے مقابل آیا۔

میدانِ جنگ چنگیز خان کے گھن گرج سے گونج رہا تھا، ماضی پردے سے جموکا کے لیے اس کا للکار ہم سن رہے ہیں۔

"جموکا تم میرے ماتحت بن جاؤ۔ میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں اب مستقبل میرا ہے۔ میرے ساتھ ہو جاؤ اور فائدہ اٹھاؤ ورنہ تمہیں اور تمہاری فوج کو روندوں گا۔"

"تموچن میں بھی منگول ہوں۔ میں لڑتے ہوئے جان دے سکتا ہوں لیکن تمہارا ماتحت ہونا گوارا نہیں۔"

"طبلِ جنگ بجتے ہی چنگیز خان کے سپاہی مقدس بالوں کے پرچم لہراتے دشمن پر ٹوٹ پڑتے۔ بڑی خون ریزی ہوئی تاہم چنگیز خان کو شکست دینا جموکا کے بس میں نہ تھا۔ وہ گرفتار ہوا اور قیدی کو خان کے سامنے پیش کیا گیا۔"

چنگیز خان نے اپنے زخمی دوست کو کھانا کھلایا اور مشروبات کے بعد اس سے پوچھا "میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔"

"یہ میں نہیں جانتا لیکن اگر میں زندہ رہ گیا تو تمہیں

نہیں چھوڑوں گا۔'' بلآخر کمان کی تانت سے چنگیز خان نے جموکا کا گلا گھونٹ دیا۔

* * *

فرانس کے ایک جنگجو کی آواز جس کا نام نپولین بونا پارٹ جس نے فرانس کی عظمت کے ترانے گائے۔ فرانس کے نامور جرنیلوں میں جس کا شمار ہوتا ہے اپنی عسکری طاقت سے برطانیہ جیسی طاقت کو زچ کیے رکھا فقط ساڑے پانچ فٹ قد کی وجہ سے بونا پارٹ مشہور ہوا زندگی کے نشیب و فراز نے اسے کئی مرتبہ آزمائش میں ڈالا تاہم وہ سرخرو ہوتا رہا لیکن موت کو شکست نہ دے سکا۔ایک جزیرے میں قید کے دوران آنتوں کا کینسر اسے موت کی وادی میں لے گیا۔

اتوار 18 جون 1815ء اس کی زندگی کا فیصلہ کن دن ثابت ہوا جب وہ بیلجیم کے واٹر لو کے مقام پر انگریزوں سے برسر پیکار تھا میدان جنگ کا پانسہ پلٹا برطانیہ کی جانب سے ڈیوک آف ولنگٹن اور فیلڈ مارشل وان بلوشر نے جنگی حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے نپولین کو اس کی فوج سے علیحدہ کردیا۔ تھوڑے سے جان نثار نپولین کے ساتھ رہ گئے اور اپنے سالار پر جان نچھاور کرتے گئے بالآخر نپولین گرفتار ہوگیا۔ دشمن جانتا تھا شکست خوردہ فوج نپولین کے گرد اکٹھا ہوگئی تو پھر لڑنے کے قابل ہوجائے گی لہذا سرعت کے ساتھ اسے ایک جزیرے میں قید کردیا۔ نپولین ہمت ہارنے والا نہیں۔ پہلے بھی وہ ایک جزیرے کی قید سے فرار ہوچکا تھا اس مرتبہ اس کے پیٹ کی تکلیف بڑھتی گئی آنتوں کا کینسر تیسرے درجے میں جاچکا تھا اس حال میں بھی وہ فرار کی کوشش کرتا رہا لیکن جسم اسے فرانس کی عظمت کا سہرا اپنے سر سجانے میں مانع تھا۔

درد اور کراہ کے دوران جیل کی چار دیواری میں گونجتی آواز جو ہم تک پہنچی کہ اے عظیم فرانس میں تیری کوئی بڑی خدمت نہیں کرسکا اور برطانیہ ایک مکار دشمن ہے۔

واٹر لو کی شکست 18 جون 1815ء کے فقط دس دن بعد 28 جون کو وہ جان کی بازی ہار گیا فقط 52 سال کی عمر میں دنیا سے کوچ کرگیا تاہم وہ ایک جابر اور طاقت حکمران کے طور پر تاریخ کے صفحات میں زندہ ہے۔

اس کے اقوال اس کی ذہانت کا بین ثبوت ہیں اس کا کہنا تھا کہ ''فوجیں پیٹ کے بل چلتی ہیں'' یعنی عمدہ خوراک فوج کی اولین ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی جنرل اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا۔

ایک سوال کے جواب میں کہ فرانس کو ایک عظیم قوم کیوں کر بنایا جاسکتا ہے اس کو جواب سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے ''مجھے عظیم مائیں دو میں تمہیں عظیم قوم لوٹا دوں گا۔''

* * *

ایک بڑے سردار سالار یا بادشاہ کی آواز جو اپنے محکوموں کو آخری وصیت کررہا ہے کہ میرے دوونوں ہاتھ کفن سے باہر نکال دینا تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ تین چوتھائی دنیا کا مطلق العنان حکمران دنیا سے خالی ہاتھ جارہا ہے۔

ماتمی فوجی دھن بج رہی ہے، زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہونے والا یہ مرحوم سکندراعظم ہے جسے ناقابل شکست سمجھا جاتا تھا۔ آج موت کے ہاتھوں شکست خوردہ دنیا

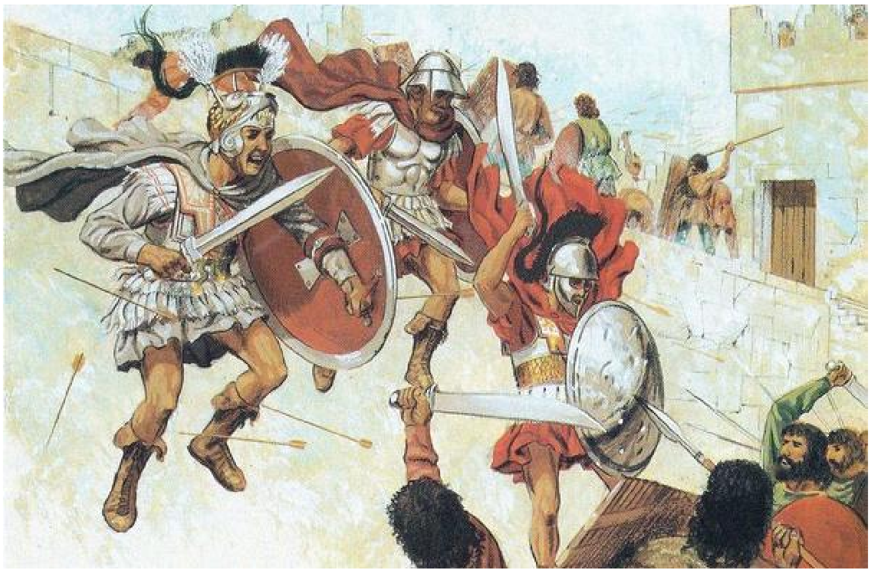

سے جارہا ہے۔

سکندر 20 جولائی 352 ق م پیدا ہوا ابھی اس کی عمر فقط بیس برس تھی کہ اس کے باپ جو مقدونیہ کا طاقتور اور مطلق العنان حکمران تھا قتل کر دیا گیا۔ کم عمری کے باوجود سکندر قائدانہ صلاحیت سے مالا مال تھا اور بہادری اس کی صفت ثانیہ تھی۔ اس کا باپ ساری دنیا فتح کرنے کا خواہشمند تھا اور طاقت ور اور منظم فوج کی وجہ سے خواب کو شرمندہ تبیر کر سکتا تھا تاہم بے وقت قتل کے سبب سکندر نے مرحوم والد کے خواب کی تکمیل کا ارادہ کیا بہت جلد اس نے حکومت کے ذریعے اپنی دھاک بٹھادی اور اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے ارسطو جیسا استاد ملا جس کا شمار دنیا کے بڑے فلسفیوں میں ہوتا ہے۔ اس کے والد فلپس نے اسے سخت کوش بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور عسکری علوم و تربیت سے ایک ایسا ہیرا تراشا جس کی چمک ساری دنیا دیکھنے والی تھی۔

دو سال کی مدت میں اس نے روم کے تمام حکمرانوں کو بشمول یونان کے دارالسلطنت ایتھنز کو اپنی کمان میں متحد کر لیا اور اپنی فوج کو ناقابل تسخیر بنالیا۔

شمال اور مغرب سے کسی حد تک مطمئن ہونے کے بعد اس نے مشرق کی جانب نگاہ کی تو اسے ایران کی وسیع و عریض سلطنت دکھائی دی جو بحیرہ روم سے ہندوستان تک لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔

سکندر نے 35 ہزار کی فوج سے ایران پر حملہ کیا جہاں دارا کی حکومت تھی۔ سکندر کی سپاہ 30 ہزار سوار اور پانچ ہزار پیدل تھے تاہم وہ انتہائی تربیت یافتہ اور میدان جنگ کے سورما تھے۔ سکندر کی فوج کا مشہور ترین حصہ ''مقدونوی جتھا'' تھا 16x16 کے مربع نما قطار میں یہ بہادر جنگ کا پانسہ پلٹنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

دریائے ''گرانی کورس'' پر زبردست خونی مقابلہ ہوا ایرانی سکندر کو دریا عبور کرنے سے روکتے رہے تاہم سکندر جانتا تھا کہ ایرانیوں کی پیدل فوج ان کے مقدونوی جتھوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی دریا عبور کرنے بعد سکندر کے سیلاب کے آگے بند باندھنا ممکن نہ تھا۔

گرانی کورس کے بعد شام میں خود دارا سکندر کے سامنے اپنی ایک لاکھ سپاہ لے کر مقابلے میں لایا لیکن مقدونیوں کی ہمت اور بہادری کا کوئی مقابلہ نہیں۔ دارا کو ایسی شرمناک شکست ہوئی کہ وہ اپنی والدہ اور بیوی بچوں کو

خیمے میں چھوڑ کر فرار ہوا۔

شام کے بعد مصر اور پھر عراق مقدونی سیلاب کے آگے کوئی ٹھہر نہیں سکا۔

عراق میں دریائے فرات عبور کرنے کے بعد گوگا میلا کے مقام پر شہنشاہ ایران کی عظیم الشان فوج کا سامنا تھا جس کی تعداد دس لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے لیکن قسمت سکندر کا ساتھ دے رہی تھی اور وہ معرکے پر معرکے سر کرتا آگے ہی آگے۔

اب سکندر کا رخ ہندوستان کی جانب تھا جہاں جہلم کے مقام پر پورس سے اس کا مقابلہ تھا پورس کے ہاتھی جو اس کی عسکری طاقت کا سرچشمہ تھا لیکن مقدونیوں نے اس ہاتھیوں کا رخ ہندوستان کی فوج کی سمت پھیر دیا پھر کیا تھا اپنی فوج اپنے ہاتھیوں کا شکار ہوئی۔

پورس گرفتار ہوا اور سکندر کے دربار میں پابہ زنجیر لایا گیا چند آوازیں ہمیں تاریخی حقائق بتاتی ہیں:

"تم جانتے تھے پورس، سکندر کو روکنا ممکن نہیں پھر مقابلے میں کیوں آئے۔"

"مجھ پر میری مٹی اور میرے لوگوں کا قرض تھا جس کی ادائی کے لیے آیا۔"

"اچھا پورس بتاؤ، تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

"وہی جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے۔"

"سکندر نے پورس کو آزاد کیا اور تمام مقبوضہ علاقے لوٹا دیئے۔"

* * *

"شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔" سرفروش مجاہد کا قول ہے جس نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے شہادت کو گلے لگا یا دنیا اسے ٹیپو سلطان کے نام سے جانتی ہے۔

ان کے والد نواب حیدر علی جنہوں نے سلطنت میسور

کی بیس برس تک حکمرانی کی۔ 1782ء میں ان کے والد کا انتقال ہوا۔ سلطنت کے بیشتر علماء جنازے میں شریک تھے، سلطان کی وصیت پڑھ کر سنائی گئی کہ نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے زندگی میں کبھی تہجد قضا نہ کی ہو۔ سب پیچھے ہٹ گئے اور پھر والد کی نماز جنازہ بیٹے نے پڑھائی اور زیر لب کہا۔ بابا آپ نے میرا پردا اٹھا دیا۔ یہ تھا اس جواں سال مجاہد کا کردار۔

یکم دسمبر 1751ء کو پیدا ہونے والے شہزادے کو خوشحال ریاست میسور کی ولی عہدی ملی تاہم فقط 48 برس کی عمر میں اپنوں کی غداری کی بنا پر شہید کیا گیا۔ وہ باپ کی طرح ایک باکردار اور بیدار مغز حکمران ثابت ہوا۔ اعلیٰ عسکری صلاحیت کا حصول ہمیشہ سے اس کا مطمح نظر تھا اس نے ایک چاقت و فوج منظم کی تھی۔ کئی کئی گھنٹے گھڑ سواری اس کا معمول تھا۔

ریاست میسور کے مال و دولت پر انگریزوں کی رال ٹپک رہی تھی لیکن انگریز اس سے خائف بھی تھے لہذا اطراف سے مزید عسکری قوتیں انگریزوں کے ساتھ شامل

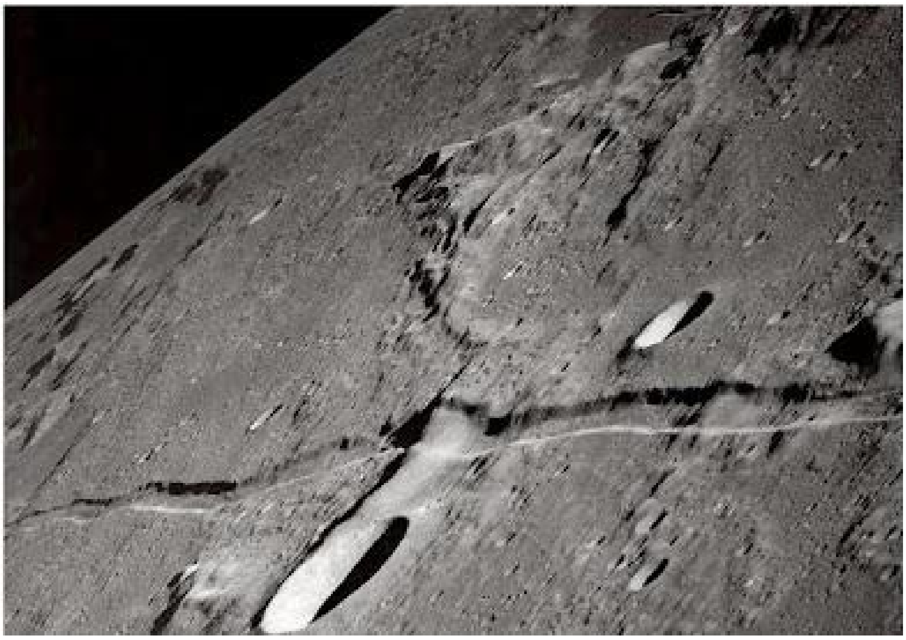

ہوتی گئیں اور یہ تعداد اسی ہزار کے قریب ہوگئی۔

ٹیپو قلعہ بند ہوکر دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ رات کے کھانے کے لیے وہ دسترخوان پر تھے کہ دشمن قلعے میں داخل ہوئے خبر ملی کھانا چھوڑ وہ تلوار سونت کر دشمن کو للکارا، میر منشی صادق کی غداری کی وجہ سے ٹیپو کی فوجی قوت منتشر ہوگئی تھی لیکن تلوار ٹوٹنے تک وہ مقابلہ کرتا رہا۔ کاری زخم لگنے کے بعد وہ گر گئے تاہم ان کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ دشمن ان کے قریب آنے سے گھبراتا رہا۔

ٹیپو میزائل کا موجود تھا اور اس وقت کے لحاظ سے ایک اہم ایجاد تھی جو دشمن کو حواس باختہ کردیتی تھی خلا میں موجود آوازوں میں ان میزائلوں کی سنسناتی آوار، محفوظ ہے جس میں ٹیپو کی پکار اللہ اکبر۔

ٹیپو کے بعد انگریزوں کی تمام رکاوٹیں دو ہوگئیں اور اس سیلاب کے آگے بند باندھنے والا کوئی نہ تھا۔

* * *

چاند پر پہنچنے والے خلانوردوں کی آواز زمین سے رابطے کے بعد جسے بڑی وضاحت سے سنا جاسکتا ہے:

''یہ کیا ہے؟''

''چاند کی سطح تاہم اس میں ایک دراڑ جو بہت دور تک جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کردہ چاند کے مکمل محیط پر کھنچا ہوا۔''

''اس کی مزید واضح تصویر بھیجو۔''

ایک وقفے کے بعد اس خبر اور اس کی تصویر کی اشاعت نہیں ہونی چاہیے۔

تاہم اس حقیقت تک پہنچنا اس سائنسی دور میں کیا مشکل؟

میرے پیر و مرشد صدارتی انعام یافتہ سیرت نگار شاہ مصباح الدین شکیل اپنی سیرت البم (شائع شدہ 14 اگست 2011ء صفحہ 137) پورے صفحے پر سطح چاند کی تصویر جس میں مذکورہ بالا دراڑ کو صاف دیکھا جاسکتا ہے۔ فاضل مولف نے صفحے کے بائیں جانب سورۃ القمر کی دو ابتدائی آیات مع ترجمہ واقعہ شق القمر پر یہ تصویر اور مختصر تحریر اسی صفحہ پر دائیں جانب ''چاند کے درمیان ایک سفید پٹی چاند کی اندرونی گہرائی تک ہے یعنی دو ٹکڑوں کو جوڑا گیا ہے۔''

میں اس میں صرف اس اضافے کی جسارت کروں گا کہ مشہور و معروف اسلامی اسکالر جنہوں نے پیرس میں تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے طویل وقت گزارا رقم طراز ہیں ''جب انسان چاند پر پہنچا اور وہاں کی تفصیلی تصاویر زمین پر موصول ہوئیں جس میں یہ سفید پٹی واضح طور پر دیکھی جاسکتی تھی تو مکمل اہتمام کیا گیا کہ دنیا کو اس خبر سے بے خبر رکھا جائے کہ یہ اسلام کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کے مترادف ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''انشاء اللہ جب اہلِ ایمان خلانورد چاند پر جائیں گے تو اس حقیقت کو دنیا پر پوری طرح آشکار کریں گے جسے پھر کوئی جھٹلا نہیں سکے گا۔'' ■

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ڈاکٹر مائیکل ریان (ایگزیکٹیو ڈائریکٹر) کی قیادت میں
ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (ڈبلیو ایچ او) کے وفد سے ملاقات کرتے ہوئے۔

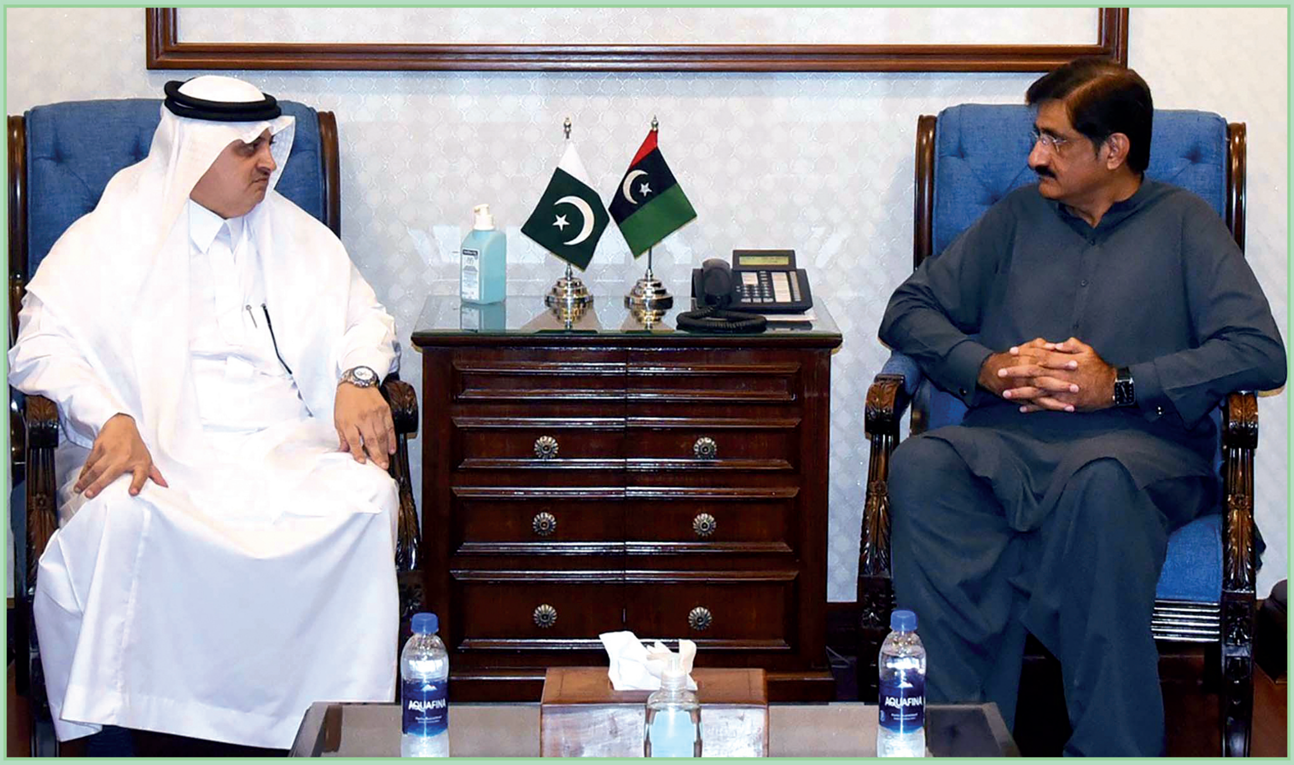

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ سعودی عرب کے سفیر نواف سعید المالکی سے وزیراعلیٰ ہاؤس میں ملاقات کرتے ہوئے۔

پی ایس اے کے تحت بغیر عدالتی سماعت کے کم سے کم دو سال تک کسی کو بھی بلا لحاظ عمر قید کیا جا سکتا ہے۔ متعدد کمسن بچوں کو بھی اب تک اس قانون کے تحت قید کیا جاچکا ہے۔ یہ قانون 42 سال قبل اُس وقت کی حکومت نے جنگل سے عمارتی لکڑی چُرانے والوں کے خلاف بنایا تھا لیکن اسے سیاسی مخالفین کو قید کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

پی ایس اے کے تحت بغیر عدالتی سماعت کے کم سے کم دو سال تک کسی کو بھی بلا لحاظ عمر قید کیا جا سکتا ہے۔ متعدد کمسن بچوں کو بھی اب تک اس قانون کے تحت قید کیا جاچکا ہے۔ آٹھ سال قبل ایمنسٹی نے اس قانون کو ''لا لیس لا''، یعنی غیر قانونی قانون قرار دے کر اس کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔

قانون تو ختم نہیں ہوا البتہ حکومت نے اس میں ترمیم کی کہ اس قانون کے تحت 16 سال سے کم عمر کے شہری کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم حال ہی میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے 44 صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ جاری کی جس کے مطابق یہ قانون مسلسل انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بن رہا ہے۔